بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قائد ملت کی زندگی میں دو کتابیں مولوی عبدالحق سعید
نے تحریر فرمائے (۱) لسان الامت (۲) دو سالہ جد وجہد
(مصلحت سیاسی کے پیش نظر دوسری کتاب فرضی
نام سے لکھی گئی تھی)

یہ تیسری کتاب ہے جو نواب صاحب کی شہادت
سے صرف دو ماہ قبل شائع ہوئی

سعید صاحب قائد ملت کے شیدائیوں میں سے
ہیں

یہ بڑی اہم اور اپنی نوعیت کے اعتبار سے
معلوماتی کتاب ہے

صفحہ ۴ پر ضیا یار جنگ مفتی عدالت العالیہ کا
فارسی منظوم نذرانہ عقیدت اور ۵، ۶ پر
اردو میں نذرانہ منظوم -

صفحہ ۷ سے ۱۸ تک مشاہیر کے تاثرات بطور خاص

اس کتاب کے سلسلے میں فراہم کئے گئے ہیں

قائد اعظم، مولانا عبدالماجد دریا بادی، مولانا ابوالاعلیٰ

مودودی، فضل حق عبدالحق، ذوالفقار جنگ

عبدالوہاب بخاری، میاں بشیر احمد وغیرہ

یہ ایک بڑا کارنامہ ہے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے بہادر خاں کی تقریر

پہلی بار حیدرآباد ریجولیٹیو کانفرنس حیدرآباد

میں سنی تھی جس تقریر سے وہ دم آخر تک

متاثر رہے۔ چنانچہ ذرا اپنے بیانی خط میں

انہوں نے درج فرمایا ہے۔ ایسی بہت سی معلومات

ان بیانات میں ملتے ہیں

۴۲ سے ۸۹ تک آل انڈیا تبلیغ کانفرنس

میں قائد ملت کا خطبہ درج ہے

۹۰ سے ۱۶۵ تک قائد ملت کی زندگی کے

مختلف پہلوؤں پر میر حاصل معلومات پر

مشتمل یہ کتاب ~~نواب صاحب~~ بھیجدو گودمند ہے

نواب صاحب سے متعلق نظام آف حیدرآباد

کے خطوط کا عکس بھی (پہلی بار) شریک کتاب ہے

نذیر احمد

دلیل صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
افق سے آفتاب ابھرا گیا دورِ گراں خوابی

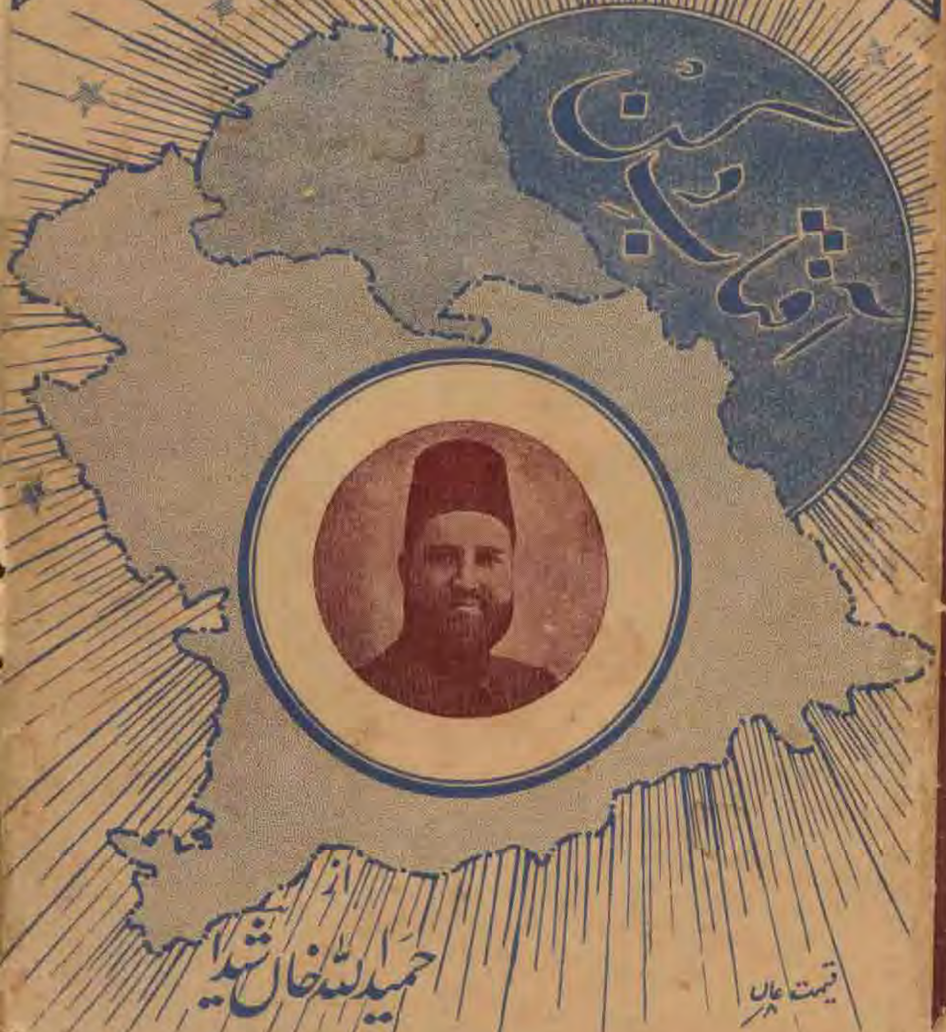

از
حمید اللہ خان شیدا

قیمت عا

(جملہ حقوق محفوظ)

دلیل صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
اُفق سے آفتاب اُبھرا گیا دورِ گراں خوابی
(اقبال)

آفتابِ دکن

قائدِ ملت

نواب بہادر یار جنگ بہادر

کی

سوانح حیات

مولفہ
حمید اللہ خاں شید معتمد اعزازی ادارۂ ادبیاتِ اردو
(شاخ پربھنی)

انتساب

حال و مستقبل کی اس نوجوان نسل کے نام جس کی
سعیٔ پیہم اور حسن عمل سے آزاد ہندوستان میں آزاد
اسلام کا خواب حسن تعبیر پائے گا۔

حمید اللہ خان شیدا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

نمبر شمار	مضامین	نمبر صفحہ
۱	ایک عرض	ا
۲	حصہ نظم	۱
۳	خراج تحسین	۷
۴	پیامات وتاثرات	۸
۵	قائد ملت کا پیام	۴۲
۶	قائد ملت	۴۴
۷	حالات خاندان	۴۸
۸	شجرہ خاندان	۵۱
۹	پیدائش	۵۲
۱۰	ابتدائی تعلیم	۵۴
۱۱	ملت کے لئے سب سے پہلی خدمت۔	۵۵
۱۲	والد کی وفات اور ذمہ داریاں	۵-
۱۳	بلاد اسلامیہ کا سفر	۵۹
۱۴	قائد ملت اور خطابت	۶۰
۱۵	بہادر یار جنگ کا خطاب	۶۵
۱۶	دین اسلام کی تبلیغ	۶۷
۱۷	آل انڈیا تبلیغ اسلام کانفرنس میں تقریر	۷۲
۱۸	قائد ملت کی دعائے مضطرب	۹۰
۱۹	مجلس اتحاد المسلمین	۹۳

۲۰	مجلس کی جدید تنظیم و نشاطِ ثانیہ	۹۹
۲۱	مجلس کے دورِ جدید کا دوسرا سال	۱۰۴
۲۲	دکن میں ہندو مسلم کشیدگی کے اسباب	۱۰۷
۲۳	حق کی حمایت	۱۰۹
۲۴	اکثریت کا ڈھونگ	
۲۵	ہندو مسلم گفتگو مفاہمت	۱۱۴
۲۶	مجلس اصلاحات کا تقرر	،،
۲۷	مفاہمت کی دوسری کوشش	۱۱۵
۲۸	اصلاحات کی تحریک التواء	۱۱۹
۲۹	اعلان اصلاحات	۱۲۴
۳۰	دستورِ اصلاحات کی تشریح	
۳۱	ذاتِ شاہانہ سے مجلس کی عقیدت مندی	۱۳۱
۳۲	مجلس کا مالیات	۱۳۴
۳۳	قائد ملت کی ۵ لاکھ کی اپیل	۱۳۴
۳۴	مولانا رضوی کا ایثار	۱۳۵
۳۵	سیرت و کردار	۱۳۷
۳۶	قائد ملت کی بارگاہِ خسروی سے سرفرازی	۱۳۹
۳۷	ایک منجم کی پیشین گوئی	۱۴۰
۳۸	اسٹیٹ مسلم لیگ	۱۴۳
۳۹	مولانا امداد صابری مدیر "آزاد" کے نام خط	۱۴۴
۴۰	قائد ملت کی زباں بندی	۱۴۷
۴۱	خطاب و جاگیر سے دست برداری	۱۵۰
۴۲	حکومت کشمیر اور قائد ملت	۱۵۳
۴۳	حالات زندگی پر طائرانہ نظر	۱۶۱

قائد ملت

ایک عرض

مشاہیر اور بزرگوں کی زندگی اور ان کے حالات سے ہر شخص کو فائدہ اُٹھانے کی ضرورت ہے اگر ہم اپنے مشاہیر اور بزرگوں کی زندگیوں اور سرگرمیوں اور ان کی قومی خدمات کو مشعلِ راہ بنائیں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں تو یہ کوشش یقیناً منزلِ مقصود تک پہنچانے میں ہماری ممد و معاون ثابت ہوگی۔

دنیا میں چند ہی ایسی قابل ترین ہستیاں پیدا ہوتی ہیں جن سے قوم و ملک کو ایک گراں بہا فائدہ پہنچتا ہے جو شخص اپنی قوم اور وطن کے لئے ہر قسم کی قربانیوں سے کبھی دریغ نہیں کرتا تو دنیا اور دنیا والے اس کو اپنے سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں اور اس کی ہر جنبش لب پر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ بے شک قربانی قربانی کو آسان کر دیتی ہے۔ مگر ایسے افراد چمنستان دہر میں کم پیدا ہوتے ہیں۔ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

قائدِ ملت کی ہستی کسی تعارف کی محتاج نہیں مسلمانانِ دکن کے لئے ان کا وجود خدا کی عطائے خاص ہے۔ کسے خبر تھی کہ عیش و عشرت و امیری میں آنکھیں کھولنے والا۔ دیباہ و حریر کے گدوں مخمل و کمخواب کے فرشوں اور پھولوں کی سیجوں پر آرام کرنے والا بچہ جس کے پائے نازک میں خلشِ خار بھی ہو جائے تو بیسیوں خدام فرض خدمت کے لئے بے چین ہو جائیں

وہ آج ہم خفتہ بختوں کا قائد ہوگا اور ایسا قائد کہ ہمارے لئے کانٹوں کو فرشِ مخمل سمجھے گا، کڑی سے کڑی مصیبت کو بھی اُمت کے لئے اپنی جان پر جھیل لے گا اور خدمتِ دین و ملت کی راہ میں اگر اپنی امیری بھی حائل ہو جائے تو اس کو بھی ٹھکرا دے گا۔ بیشک قائد جب تک اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَةِ الْمَسَاکِیْنَ کے مصداق اپنی موت و حیات اور حشر و آخرت میں اپنے آپ کو غریبوں کا رفیق و دمساز نہ بنالے وہ کامیاب قیادت سے محروم ہے۔ ہمارے اسی غریبوں کے دمساز قائد کی کوششوں اور کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ آج مسلمانانِ دکن ایک مرکز پر نظر آرہے ہیں موجودہ زمانے میں مرکزیت بڑی چیز ہے۔ جہاں مرکزیت ہوگی طاقت ہوگی اور جہاں طاقت ہوگی وہاں سب کچھ ہوگا اَعِدُّوْا لَهُمْ کی سعی اس پر شاہد ہے اور عصر حاضر کی تاریخ اس کی تصدیق ہے۔

زیرِ نظر مجموعہ میں میں نے دکن کے سب سے محبوب قائد کی سرگرم زندگی کو پیش کیا ہے تاکہ ان کی زندگی کو ہر شخص شمع راہ بنائے اور اس پہ گامزن ہو کر اعلیٰ مدارج حاصل کرے۔ میں اس نظریہ کا قائل نہیں ہوں کہ قائد کی سوانح حیات اس کے مرنے کے بعد لکھی جائے اور کفِ افسوس ملتے رہیں بلکہ میں اس نظریہ کا قائل ہوں کہ قائد کی زندگی کے حالات اس کی قربانیاں اور اس کے کارناموں کو اس کی زندگی میں دیکھیں

اور حالات کا باہمی موازنہ کریں اور نتائج کو اخذ کریں۔

بہر حال جہاں تک قلب و دماغ نے یاوری کی میں نے کوشش کی ہے کہ کامیاب گزر جاؤں مگر یہ کامیابی میری تنہا کامیابی نہیں ہے بلکہ میرے بعض کرمفرما دوستوں اور مخلص احباب کی امداد و تعاون کو خاص دخل ہے۔ جن کی منت شماریوں سے میں قاصر ہوں۔

ان میں سب سے اوّل میرے عزیز مولوی عنایت اللہ خاں صاحب عنایت سوداگر بسمت نگر کا بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے اس کتاب کی تالیف میں میرا ہاتھ بٹایا مفید مشورے دئے اور اس کتاب کو تکمیل تک پہونچانے میں میرے ساتھ مصروف کار رہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر محمد عبد العلام صاحب ایم۔ ڈی۔ ایچ۔ ایم۔ بی بی۔ ایس نظام آباد کا بھی مشکور رہوں کہ موصوف نے باوجود اپنی انتہائی مصروفیتوں کے میری رہبری فرمائی اور ہر طرح سے امداد فرمائی اور سچ تو یہ ہے کہ موصوف ہی کے اصرار نے اس اہم خدمت کی طرف میری توجہ مبذول کرائی۔ میرے محترم دوست مولوی نصیر الدین صاحب فاروقی و مولوی عبد الرحمٰن صاحب سعید بی اے۔ (عثمانیہ) کا بھی ممنون ہوں کہ موصوف نے بھی گراں بہا مشورے دئے اور بہت ساری معلومات بہم پہنچائے اور اپنی کتاب کے ماخوذات کی اجازت مرحمت فرمائی۔

میں ان مشاہیر ہند و دکن کا بے حد منت پذیر ہوں جنھوں نے اپنی انتہائی مصروفیتوں کے باوجود میری استدعا پر اپنے قیمتی تاثرات اور پیامات روانہ فرما کر میری عزت افزائی فرمائی آخر میں ان تمام مخلص احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے مجھے اس سلسلہ میں اپنے معلومات سے اور مشوروں سے سرفراز فرمایا۔

خدا کرے یہ میری کوشش آپ کے ذوق نظر کا
سامان مہیا کرے۔ اور بالخصوص جوانان دکن

اپنی موجودہ پُر پیچ زندگی میں اس کو اکتساب
نور و بصیرت کا ذریعہ بنائیں۔

ع

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

نیاز آگیں

حمید اللہ خاں شیدا

پربھنی
۲۷ر اپریل ۱۹۴۴ء

مؤلف

کلام فیض التیام اعلیٰ حضرت سلطان العلوم خسرو دکن خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ

جس کو قائد ملت نے ۲۰ اسفندار ۱۳۴۹ف کی شب میں
حسب فرمان خسروی اردو کانفرنس کے مشاعرہ میں پڑھنے کی عزت حاصل کی۔

بہر مسلم چہ نازے اینست — داد مذہب چہ فرازے اینست

لوح قرآں کہ ز کلک قدرت — ہمہ در نقش و طرازے اینست

من چہ اوصاف نبی را گویم — طینتش ہم بہ نیازے اینست

منصب او کہ ز احزاب رسل — آشکارا ہمہ رازے اینست

بر سر سدرہ و طوبیٰ **عثمان**

پر کشادہ گہ چہ بازے اینست

(شاہین، تشبیہ)

دعائے مسلم

اے خدا سینۂ مسلم کو عطا ہو وہ گداز
تھا کبھی حمزہؓ و حیدرؓ کا جو سرمایۂ ناز

پھر فضا میں تری تکبیر کی گونجے آواز
پھر اس انجام کو دے گرمیٔ روحِ آغاز

نقشِ اسلام ابھر جائے جلی ہو جائے
ہر مسلمان حسین ابنِ علیؓ ہو جائے

باغِ اسلام کے کانٹوں کو گلستاں کر دے
پھر ہمیں شیفتۂ جلوۂ ایماں کر دے

مرکزِ عشق گنہگاروں کا سینہ ہو جائے
آبگینہ کو وہ چمکا کہ نگینہ ہو جائے

دے ہمیں بارِ خدا ہمت و جرأت کی صفات
دل میں پیدا ہوں شجاعانِ عرب کے جذبات

پھر سے تازہ ہوں رسولِ دوسرا کے غزوات
درسِ مسلم کو یہ دے موت ہے تکمیلِ حیات

خاک پر رایتِ اربابِ حقیقت نہ گرے
سر رہے یا نہ رہے تاج خلافت نہ گرے

شمعِ اسلام کا پروانہ بنا دے ہم کو
شمس تبریز سا دیوانہ بنا دے ہم کو

کج ہوں اس وقت سرِ حشر کلاہیں اپنی
جب ملیں ساقیٔ کوثر سے نگاہیں اپنی

اے خدا جذبۂ اسلاف سے بھر دے ہم کو
جو تری راہ میں کام آے وہ سر دے ہم کو

دیکھ لے حق کو وہ باریک نظر دے ہم کو
دل جو عباسؓ کا جعفرؓ کا جگر دے ہم کو

کانپ کر ماند ہو دبدبۂ طلبی کا پرتو
ڈال سینوں پہ رسولِ عربیؐ کا پرتو

موت کا خوف رہے دل میں نہ زنداں کا خیال
سب کے سینوں میں اُتر جائے خلافت کا ملال

ہم میں پیدا ہوں نئے سر سے جنیدؒ اور بلالؓ
پھر سے قائم ہوں تری راہ میں سرمدؒ کی مثال

رنگ تصویرِ صداقت میں مسلماں بھر دیں
سُنتِ سیدِ سجادؓ میں زنداں بھر دیں

پھر بہار آئے مئے ناب پری ہو جائے
پھر جہاں محشرِ صد جلوہ گری ہو جائے

دے وہ چھینٹے کہ ہر اک شاخ ہری ہو جائے
زُور آندھی کا نسیمِ سحری ہو جائے

اب تو پیری کو مبدل بہ جوانی کر دے
موم کر سنگ کو فولاد کو پانی کر دے

حبل المتین الاتحاد المسلمین

نظم از عالیجناب نواب ضیاء یار جنگ بہادر ضیاؔء سابق مفتی عدالت العالیہ

بیا بیا کہ دریں بزم ہیچ پنہاں نیست
بجز مذاکرۂ اہل دین و ایماں نیست

خدائے قائدِ ملّت بہ ملک پیدا کرد
دراں زماں کہ عمل بر حدیث و قرآں نیست

تو آں زبحرِ حوادث ربود کشتی را
کہ خضر را خطر از موجہائے طوفاں نیست

خوش است اسمِ مدارا دلے چہ خواہی کرد
درآب گینہ دلہا شراب احساں نیست

چناں حوالۂ آتش کند کسے روزی
رواج عطر کشیدن بہ گل فروشاں نیست

بگوش عزتِ اسلام چوب نے ن می باش
کسے کہ نوبتِ شیطاں زند مسلماں نیست

مگو ز خشکیٔ ترے ملک شاہ بے خبر است
کہ حال ذرّہ و شبنم ز مہر پنہاں نیست

جہاں بگشتم و دیدم بسے سلاطیں را
یکے حکیم سیاست چو شاہ عثماں نیست

ز پا فتادہ ام و سر زنم ضیاؔء بہ فلک
مرا ز میکدہ بروں بہ خانہ آساں نیست

فخرِ مشرق

قوم پرور ہیں ادائیں جس کی — ملک لیتا ہے بلائیں جس کی

لے کے پیغام اثر پہونچی ہیں — گوشۂ دل میں صدائیں جس کی

ہے قیامت کا جو نبّاض طبیب — اور ہیں اکسیر دوائیں جس کی

انقلابات ہیں جس کے خادم — اور کنیزیں ہیں فضائیں جس کی

مشورے جس کے ہیں آیات نُما — پُر حدیثوں سے ہیں رائیں جس کی

کھٹکھٹاتی ہیں درِ عرشِ بریں — ہو کے بیتاب دُعائیں جس کی

حشر تک علم و عمل میں ہرگز — گردِ قدسی بھی نہ پائیں جس کی

خاکِ پا چشمِ بصیرت والے — اپنی آنکھوں میں لگائیں جس کی

جذبۂ دل کی فضا میں ہر سو — جذب ہوتی ہیں ندائیں جس کی

ایک ایک کرکے ہزاروں لاکھوں — خوبیاں لوگ گنائیں جس کی

خیر خواہی میں نہیں جس کے کلام
ضرب المثل وفائیں جس کی

جس کے دیدوں سے دلیری ظاہر
اشک آنکھیں نہ بہائیں جس کی

شیخ کو شاب بنا دیتی ہیں
باتوں باتوں میں ادائیں جس کی

وہ بہادر ہے بہادر ہے وہی
خدمتیں خلق کو بھائیں جس کی

فخرِ مشرق اُسے کہنا ہے بجا
رشکِ مغرب ہیں شعائیں جس کی

قائدِ اعظم محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ کا

خراجِ تحسین

اعلیٰ حضرت حضور نظام کی رعایا کی حیثیت سے اگرچہ کہ نواب بہادر یار جنگ بہادر کا کوئی دستوری تعلق مسلم لیگ سے نہیں ہے لیکن بڑے بڑے نازک مواقع پر نواب صاحب میرے لئے معین اور رہبر ثابت ہوئے ہیں۔ نواب صاحب نے مسلمانانِ حیدر آباد کی تنظیم میں اپنی جس قابلیت کا ثبوت دیا ہے وہ ہم سب کے لئے باعث فخر و مسرت ہے۔ خدا انھیں عمر دراز عطا کرے۔ آمین۔

محمد علی جناح

آنریبل ابوالقاسم فضل الحق وزیر اعظم بنگال کا

پیام

گورنمنٹ ہاؤس کلکتہ

جناب حمید اللہ خاں صاحب رشیدؔ

میں نواب بہادر یار جنگ بہادر کی سوانح حیات کے لئے جو آپنے تحریر فرمائی ہے حسب ذیل مختصر پیام روانہ کرتا ہوں۔

نواب بہادر یار جنگ بہادر کا شمار حیدرآباد کی ان ممتاز شخصیتوں میں ہوتا ہے جنھوں نے حیدرآباد کو ہندوستان کی دیگر ریاستوں میں نمایاں طور پر اُجاگر کیا ہے اور اس قابل بنایا ہے کہ۔ ہندوستان کے اعلیٰ نظم و نسق میں ایک امتیازی درجہ حاصل کرے۔ نواب صاحب موصوف نے اپنی ٹھوس سیاست اعلیٰ کردار اور زندگی کے جملہ پہلوؤں میں وسیع النظری سے امتیازی کامیابی حاصل کی ہے اور وہ ان لوگوں کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ ہیں جو کسی ملک کے نظم و نسق کے مسائل سے دلچسپی رکھتے ہوں فقط

آپ کا مخلص

اے۔ کے۔ فضل حق

علامہ عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر صدق لکھنؤ

کے تاثرات

دفتر اخبار صدق دریاباد ضلع بارہ بنکی مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۷۰ء

وعلیکم السلام۔

قائد ملت کو مجموعہ ہونا چاہئے، دین داری، خلوص اور بے نفسی، تدبر واصابت رائے، پختگی، عزم و تواضع کا۔ اور ساتھ ہی اگر خوش بیانی کا جوہر بھی موجود ہو تو نورٌ علیٰ نور۔ دو لفظوں میں یوں کہیے کہ اس میں تناسب امتزاج ہونا چاہئے، پورے جوش اور پورے ہوش کا۔

آپ کے قائد ملت میں بحمد اللہ ان چیزوں کی جامعیت موجود ہے۔ اس لئے ان کی محبوبیت و مرجعیت پر ذرا بھی تعجب نہیں ہوتا۔ قابلِ تہنیت ہے وہ ملت جسے ایسا قائد میسر آجائے اس باب میں اہل دکن اہل ہند کے لئے باعث رشک ہیں۔ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ والسلام

عبدالماجد

مولٰنا سید ابو الاعلیٰ مودودی مدیر ترجمان القرآن لاہور کے تاثرات

مبارک پارک، پونچھ روڈ، لاہور — مورخہ ۱۲ شعبان ۱۳۵۸ھ ہجری

محترمی و مکرمی — السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ مورخہ ۱۹ ستمبر ملا۔ میں آپ کا شکرگذار ہوں کہ آپ نے مجھے اپنے محترم دوست نواب بہادر یار جنگ کے متعلق اپنے تاثرات کے اظہار کا موقع بخشا۔

نواب صاحب سے میں سب سے پہلے اس وقت واقف ہوا جب سنہ ۱۹۲۹ء میں مجھ کو حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے ایک جلسہ میں شریک ہونے کا موقع ملا۔ نواب صاحب اس وقت تقریر فرما رہے تھے اور میں ان کے نام تک سے ناواقف تھا۔ تھوڑی دیر تقریر سنتے ہی میں نے محسوس کیا کہ میں عام مقررین سے مختلف ایک شخص سے دوچار ہوں جو خطابت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ سلجھے ہوئے خیالات، مرتب اور مربوط بیان، الفاظ کا صحیح انتخاب اور برمحل استعمال، جملوں کی صحیح نشست اور ان میں ادب کی لطیف چاشنی، ان سب چیزوں نے مل جل کر

مجھے مقرر کی شخصیت سے فوراً متاثر کیا، اور ہم نشینوں سے دریافت کرنے پر جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہ نواب بہادر خاں صاحب حیدرآباد کے ایک جاگیردار ہیں تو مجھ کو اور زیادہ حیرت ہوئی۔ کیونکہ میں حیدرآباد کے جاگیردار طبقہ سے جو واقفیت رکھتا تھا اس کی بناء پر مجھے توقع نہ تھی کہ ایسا اچھا خطیب اور ایسے پاکیزہ خیالات اور وسیع معلومات رکھنے والا شخص اس طبقہ میں پیدا ہوگا۔

اس کے کچھ ہی مدّت بعد مجھے نواب صاحب سے شخصی تعارف حاصل ہوا اور چھ سات سال میں متعدد مواقع ایسے پیش آئے جن میں نواب صاحب کے اخلاق ان کی سیرت، ان کے خیالات اور ارادوں اور ان کی ذہنی صلاحیتوں سے مجھے کافی گہری واقفیت حاصل ہوئی اور میں نے یہ رائے قائم کی کہ حیدرآباد کی تاریخ میں یہ شخص آگے چل کر ایک نمایاں مرتبہ حاصل کرنے والا ہے۔ الحمدللہ کہ اب میری وہ توقعات پوری ہو رہی ہیں اور میں یہ دیکھ کر نہایت خوش ہوں کہ حیدرآباد کے مسلمانوں کو ان کی تاریخ کے اس نازک مرحلہ پر ایک ایسا لیڈر مل گیا ہے جو لیڈرشپ کے لئے ہر طرح موزوں ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نواب صاحب سے مسلمانانِ دکن کی کوئی یادگار رہ جانے والی خدمت لے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

آنریبل عبدالعزیز صاحب صدرالمہام عدالت و امور مذہبی سرکار عالی کے تاثرات

جناب من السلام علیکم۔

آپ کا خط ملا۔ میری طبیعت اس وقت اچھی نہیں ہے لیکن آپ نے جس چیز کی مجھ سے فرمائش کی ہے وہ مطالبہ اتنا خوشگوار ہے کہ اپنی علالت کے باوجود آپ کو مایوس کرنا نہیں چاہتا۔ آپ نے نواب بہادر یار جنگ بہادر کے متعلق ان کی سوانح حیات کے لئے جو آپ مرتب فرما رہے ہیں میرے تاثرات دریافت کئے ہیں۔

نواب صاحب موصوف سے میری پہلی ملاقات ۱۹۳۸ء کے وسط میں اتفاقاً تاج محل ہوٹل بمبئی میں ہوئی جہاں میں مقیم تھا صرف چند منٹوں کی ملاقات رہی مگر اس قلیل عرصہ میں ہی۔ مجھے ان کی ذہانت قومی حرارت اور پرجوش طبیعت کا اندازہ ہو گیا اور وہ مجھ پر ایک خوشگوار اثر چھوڑ کر رخصت ہوئے۔ ان کی وجاہت، قدوقامت، توانائی، خوش پوشی۔ اور حیدرآبادی ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ مجھے غیر معمولی دلچسپی ہو گئی۔ دوسری ملاقات قومی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے

خاص اہمیت اور جامعیت رکھتی ہے۔ یہ ملاقات ۱۹۳۸ء کے آخر میں پٹنہ میں ہوئی جب نواب صاحب، مولوی ابوالحسن سید علی صاحب اور مولوی عبداللہ المسدوسی صاحب کے ساتھ کل ہند مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی شرکت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے اور مجھے میزبانی کی مسرت بخشی تھی۔ تحریر کی طوالت کے خوف سے صرف اتنا ہی لکھنے پر اکتفاء کروں گا کہ پٹنہ کے اس عظیم الشان اجتماع کے موقع پر ان کی شخصیت، حسن اخلاق، اور بعض قومی خدمتیں انھیں ممتاز ہستیوں میں نمایاں جگہ دے رہی تھیں۔ مجھے اس کا افسوس رہا کہ پٹنہ کے قیام میں بھی عدیم الفرصتی کے باعث ان سے تفصیلی گفتگو، لطف صحبت اور تبادلۂ خیال کا پورا موقع نہیں ملا۔ اس کے بعد ۱۹۳۹ء میں متعدد بار خصوصاً گزشتہ تین سالوں میں بدوران قیام حیدرآباد نواب صاحب موصوف سے اکثر گھنٹوں ملاقات رہی اور ان کے حالات وخیالات سے واقفیت کا موقع حاصل ہوا۔ ان کی خانگی زندگی صاف۔ سادہ اور نہایت ہی پُرمسرت ہے۔ ان کا خلق اور تواضع بھی قومی کاموں کی طرح وسیع ہے۔ بہت سے کام جو مفاد عامہ کے لئے کئے جاتے ہیں! اس کے یہ مرکز ہو رہے ہیں۔

ان کی عام تقریر یہاں تک کہ خانگی گفتگو میں بھی ان کے زبان کی لذت اور انداز بیان کی کیفیت۔ سامعین کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتی۔ اور بعض پبلک تقاریر نے تو سحر آفرینی کا ثبوت دیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر کسی غیر معمولی صلاحیت اور قوت بیان سے۔ تدبّر کے ساتھ کام لیا جائے تو اس کے ذریعہ بہت سے اہم معاملات میں عوام کی جلد سے جلد صحیح تعلیم ہو سکتی ہے! اور بہتیرے مفید قومی کام

انجام پا سکتے ہیں۔ اور مجھے اس کی خوشی ہے کہ سوائے چند مواقع کے نواب صاحب موصوف نے اس وقت تک اپنے فرائض قومی کی انجام دہی میں برابر تدبر و اعتدال کا خیال رکھا۔ اور ان کے کاموں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ جس طرح ان کا تجربہ بڑھتا اور پختہ ہوتا جائے گا، وہ اپنی لیاقت اور تدبر سے ملک و مالک کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائیں گے۔

انھوں نے اپنی کم عمری کے باوجود ایک خفتہ، پراگندہ، غیر منظم اور غریب قوم کو جس کی بہت سی خوبیاں صرف چھپی ہوئی نہیں بلکہ نمایاں بھی ہیں جگا کر اور تعمیری کام کی طرف متوجہ کر کے ایک بڑی خدمت انجام دی ہے۔ جس سے ملک کا عظیم مفاد مقصود ہے۔ ملک کی خوشحالی، خیر سگالی اور وقار و ترقی کے لیے ضروری ہے کہ اس میں بسنے والی دو بڑی قومیں۔ ہندو اور مسلمان یکجہتی کے ساتھ شانہ بہ شانہ بلندی پر پہنچیں اور اگر ان میں سے ایک بھی کمزوری اور پستی میں مبتلا رہی تو دونوں کا نقصان اور ملک کا پریشان ہونا لازمی ہے نواب صاحب کی سیاست اور سرگرمیوں پر مجھے کوئی تنقید و تبصرہ کرنا نہیں ہے، اور نہ میں اپنے عہدہ کی وجہ سے ایسا کرنے میں آزاد ہوں۔ سیاسی مسایل، معاملات انسانی، اور رموز حکمرانی کو اچھی طرح سمجھنا اور گتھیوں کو سلجھانا آسان نہیں ہے۔ بڑے بڑے سیاسی، مدبر اور مفکر بھی بسا اوقات بعض عقدوں کو حل کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ بلکہ کبھی ان کے قول و عمل اور لغزشں سے پیچیدگیاں اور تلخیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

نواب صاحب میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ دوسروں کے نقطۂ نظر کو

جلد سمجھنے اور وزن دینے میں بخل نہیں فرماتے۔ مجھے اس کا ذاتی علم ہے کہ اگر انھوں نے لاعلمی میں کسی اہم مسئلہ کے متعلق کوئی رائے قائم کرلی ہے تو توجہ دلانے پر حقائق کی رَو میں بلا عذر اپنی رائے بدل دی ہے حالانکہ بعض اہل الرائے اصحاب کی طبیعت میں ضد کا عنصر ہوتا ہے۔

الغرض نواب بہادر یار جنگ بہادر بہت سے اوصاف حمیدہ کے حامل ہیں اور ان کی ذات سے مفید کاموں کے انجام پانے کی توقعات ہیں۔ اللہ تعالےٰ انھیں ملک و مالک کی خدمت کے لئے تادیر سلامت و تندرست رکھے۔ آمین۔

سید عبد العزیز

مکتوب علامہ ڈاکٹر عبد الحق صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ ڈی

سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند۔ دہلی

دریا گنج دہلی — مورخہ ۸ مارچ ۱۹۴۰ء

مکرمی تسلیم۔

آپ کا عنایت نامہ پہونچا۔ جواباً عرض ہے کہ میں نواب بہادر یار جنگ بہادر کی بہت قدر کرتا ہوں اور انھوں نے سلطنت حیدر آباد کے لئے بڑا کام کیا ہے فقط

عبد الحق

آنریبل سر نظامت جنگ بہادر سابق صدرالمہام سیاسیات کے تاثرات

بخدمت شریف مولوی حمید اللہ خاں صاحب شیدا۔ پربھنی

مکرمی و علیکم السلام

نواب بہادر یار جنگ بہادر کی نسبت چند لفظوں میں اپنا خیال جو کچھ ہے لکھتا ہوں۔

نواب بہادر یار جنگ بہادر کو اس ملک میں ایک ایسی قوت سمجھنا چاہیے جس کی ضرورت تھی۔ میں ان کو محض ایک پولٹیکل لیڈر سمجھنا نہیں چاہتا بلکہ حقیقی اصلاح کا طالب خیال کرنا پسند کرتا ہوں۔ ان میں علاوہ قوت لسانی کے ایسے جذبات بھی موجود ہیں جو ایک سچے مسلم پیشوا میں ہونے چاہئے۔ سب سے پہلے اتحاد اور اصلاحِ عمل کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ سیاسی شور و غل اور فساد کو یہ ترقی کا ذریعہ نہیں سمجھتے اور نہ حکومت کی مخالفت کو جائز رکھتے ہیں۔ جہاں تک میں آپ کے خیالات سے واقف ہوں۔ میں یہ باور کرتا ہوں کہ

یہ سرکار عالی اور سرکار عظمت مدار دونوں کے خیر خواہ ہیں۔ حیدرآباد سے

ایک ایسی آواز کا اُٹھنا جس میں خیر کی قوت ہے اور جو شر کی قوت پر غالب آسکتی ہے، فال نیک ہے۔ ایسا لیڈر جس میں علم بھی ہو اور اسلامی عمل صالح کو پیش نظر رکھتا ہو اور جو قوم کو اپنی ضروریات کو پورا کرنے کی تعلیم و ترغیب دلا سکتا ہو ضرور قابل قدر ہے اور اس سے یہ توقع کی جاسکتی ہے دوسروں کے طریقوں کی تقلید سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے گا۔

خصوصاً ایسے طریقوں کی جو فساد کی طرف لے جانے والے ہیں مجھ کو امید ہے کہ نواب بہادر یار جنگ کیا اپنے خاندانی اعزاز کے لحاظ سے اور کیا اپنے علم و فضل کے، آج کل کی دنیا کے لیڈروں میں سے کسی ایک کو بھی اپنے نمونہ نہیں قرار دیں گے بلکہ باہر والوں کے لئے خود ایک عمدہ اسلامی نمونہ بننا پسند کریں گے اور مسلمانوں کو اپنی اندرونی خالص اور خدمات سے اتحاد پر قائم کرنے کی کوشش میں کبھی غفلت نہ کریں گے۔ خالق کی طرف سے آواز ان کو اسی غرض سے دی گئی ہے اور وہ اس کو اچھی طرح جانتے ہیں۔"

دقار آباد ۲۴ ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ

نظامت جنگ

عالی جناب افضل العلماء مولانا سید عبدالوہاب صاحب بخاری ایم۔ اے، ایل ٹی، ایم ایل سی

پرنسپل اسلامیہ کالج   وانم باڑی مدراس

مکرمی رشید احمد صاحب دام لطفہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا عنایت نامہ وصول ہوا۔ مجھے بے حد مسرت ہوئی کہ آپ قوم کے نہایت محبوب اور ہر دلعزیز قائد مکرمی نواب بہادر یار جنگ بہادر کی سوانح مرتب فرما رہے ہیں۔ آپ کی یہ تحریک نہایت مبارک ہے۔ ہماری گردن پر نواب ممدوح کا بڑا احسان ہے۔ آپ کے اس اقدام سے شاید یک گونہ ہمارے جذبۂ احسانمندی کی تشفی ہو سکے۔ میں آپ کے اس مبارک خیال پر مبارکباد دیتا ہوں اور ذیل کے چند سطور جو بطور مشتے نمونہ از خروارے لکھے گئے ہیں مرسل ہذا ہیں۔

نواب بہادر یار جنگ بہادر حیدرآباد کی ان مایۂ ناز ہستیوں میں سے ہیں جن کی شہرت۔ وطن سے نکل کر چار دانگ ہند میں پھیل چکی ہے۔ اہل وطن کے پاس اگر وہ محبوب ہیں تو میں گزشتہ سترہ سالہ علم اور تجربے کی بناء پر وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ شاید اس سے زیادہ وطن سے باہر مسلمانوں کے پاس عزیز و محبوب ہیں

اس جواں سالی میں نواب صاحب ممدوح کی یہ محیر العقول شہرت اور عزت کے اسباب ان کی غیر معمولی قوت بیان، مسلمانوں کی نشأۃ الثانیہ کے لئے اُن کی بے چین کر دینے والی تڑپ، ان کی صحیح قیادت اور سب سے زیادہ ان کے ضمیر کی بے لوثی اور خلوص میں مضمر ہے۔ میں حیدرآبادی ہوں اور میرا قدیم مکان محلہ حسینی علم کوچہ فرید دنجاہ میں تھا۔ اس طرح مجھے حیدرآباد کی زندگی کا کافی تجربہ ہے۔ مجھے آج وطن سے باہر آئے سترہ سال ہوتے ہیں۔ اس مدت میں اہلِ وطن کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ میرے عنفوان شباب میں عام طور پر اہالیٔ وطن کی سیاسی گفتگو چوپلی قدم اور چو محلے کو سواری مبارک کی تشریف آوری۔ حکام کی تبدیلیوں سے متعلق معلومات رزیڈنسی کی خبریں۔ دیگر موسمی حالات اور زیادہ سے زیادہ بعض انگریزی اخبارات کے تراجم تک محدود رہتی تھی۔ لیکن آج ان کا زاویۂ نگاہ کس قدر وسیع ہو چلا ہے۔ آج ان کی گفتگو ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا کی تمام جدید سے جدید تحریکات، سیاسی نظریات اور اہم واقعات عالم پر مشتمل ہیں اور ان کا سیاسی موقف ہندوستان کی آزادی اور حیدرآباد میں مسلمانوں کی منتقل سیاسی قیادت پر حاوی نظر آتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس غیر معمولی تبدیلی کا ایک بہت بڑا سبب قیام جامعہ عثمانیہ ہے جس کے لئے ہم سب اور ہماری آنے والی نسلیں ابدالآباد تک حضرت سلطان العلوم شاہِ دکن خلد اللہ ملکہٗ وسلطنتہٗ کے مرہونِ منت رہیں گے۔ لیکن وطن کی عام سیاسی بیداری اور مسلمانوں میں ان کی اپنی قیادت کے شعور و احساس کا سہرا نواب بہادر یار جنگ بہادر کے سر رہے گا۔

نواب صاحب ممدوح نے قوم کی زبان بن کر گزشتہ کئی سال سے

پیہم جو ولولہ انگیز و رُوح پرور پیامِ وطن کے گوشہ گوشہ میں پہنچایا ہے اس سے کون ناواقف ہے ؟ اتحاد المسلمین کا قیام اور دکن کے مسلمانوں کے لئے اس کی ہمہ گیر سیاسی، معاشی اور تبلیغی جد و جہد اظہر من الشمس ہے اور نواب صاحب ممدوح اس کی رُوحِ رواں ہیں۔ پھر کیوں نہ وہ قائدِ ملّت کہلائیں!! اور کیوں نہ وہ دکن کے مسلمانوں کے عزیز ترین لیڈر بنیں ؟

حیدرآباد سے باہر بحیثیت صدر آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ

نواب صاحب ممدوح جس عزت و شہرت کے دارا ہیں وہ میرے خیال میں غالباً صرف قائد اعظم ہی سے دوسرے درجہ پر ہے۔ ان کی بے پناہ تقریر دل کے اندرونی گوشوں سے نکل کر لوگوں کے قلوب کو مسخر کئے بغیر نہیں رہتی۔ خود قائد اعظم محمد علی جناح صاحب کو نواب صاحب ممدوح کی قابلیت اور صداقت پر بے حد بھروسہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کو مسلم لیگ کے اغراض کی تکمیل کے سلسلہ میں سرحد اور دیگر مقامات کا دورہ کرنا پڑتا ہے۔ ان دونوں بے نظیر لیڈروں کے آپس کے ربط کو میرے ایک بزرگ نے بڑی لطافت اور باریکی سے اس طرح بیان فرمایا ہے :-

"او شدہ بازوئے محمد علی۔ تو شدہ بازوئے محمد علی"

دوسرے مصرع میں 'تو' سے مراد نواب صاحب ممدوح ہیں اور محمد علی ظاہر ہے کہ قائد اعظم کا نام ہے!

دعا ہے کہ ہمارے وقت کی یہ دونوں زبردست سیاسی ہستیاں جن کو کوئی چیز اپنے جادۂ حق سے ہٹا نہیں سکتی۔ قوم کی قیادت کے لئے مدت مدید

تک قائم و دائم رہیں تاآنکہ ایک طرف حیدرآباد کو اور اسکے ذریعہ مسلمانان جنوبی ہند کو سیاسی اقتدار و اقتدار پھر سے نصیب ہو جائے اور دوسری طرف شمالی ہند میں ہماری اکثریت کے منطقے (ZONES) اپنی کامل اندرونی آزادی حاصل کریں اور مسلمانان ہند مستقبل قریب کے آزاد وطن کی دوسری جماعتوں کے دوش بدوش کامل مساوات، آزادی عزت اور وقار سے اپنی زندگی اپنے طریقہ بسر کر سکیں جو ان کا اور یقیناً تمام اقوام کا فطری حق ہے۔

نہ داغ یاس سے گھبرا بر آئے گی امید:
گلوں کے بعد ہوا کرتے ہیں ثمر پیدا

نیاز کیش

عبدالوہاب بخاری

عالیجناب خان صاحب عبدالمجید خان صاحب پریسیڈنٹ پروونشل مسلم لیگ ناگپور (برار)

کا

اہالیان برار کی جانب سے ہدیہ محبت

مولوی حمید اللہ خاں صاحب شیدا کی فرمائش کی تعمیل سے انکار کرنا ایسا ہی دشوار ہے جیسا کہ سرمایۂ نازش ہند و دکن قائد ملت **نواب** بہادر یار جنگ بہادر کے متعلق اپنے قلبی تاثرات کا اظہار دشوار ہے۔ تعمیل ارشاد میں غلو کا امکان نہیں اپنی نااہلیت کی عریانی کا خدشہ ہے۔ احساسات کی شدت الفاظ کے سفینہ کی متحمل نہیں۔ پھول کی خوشبو الفاظ کی پنکھڑیوں میں کس طرح سما سکتی ہے۔ سورج کی روشنی کو چشم بینا دیکھ سکتی ہے دیکھا نہیں سکتی۔ روح کی گہرائیوں میں تیرنے والی لذتوں کو زبان کی سطح پر کس طرح لایا جاوئے۔

قائد اور ملت ایک دوسرے کا آئینہ ہوتے ہیں۔ کبھی ہمارے افکار و اعمال قائد کی توجہ کا پرتو ہوتے ہیں۔ یہ قائد کی عظمت کی دلیل ہے۔ کبھی قائد اور ملت ایک دوسرے کے اعمال و افکار سے متاثر ہوتے ہیں۔ یہ دونوں کی عظمت کی دلیل ہے کبھی قائد۔ ملت کی تمناؤں کا تراشیدہ بت ہوتا ہے یہ دونوں کے لئے نشان زیان و باعث خسران ہے۔ جس کی۔

"تراشیدن و پرستیدن" کی منزل "شکستین" پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ مگر ہمارے معاملہ میں یہ کوئی معیار کام نہیں آتا۔ یہاں قائد اور ملت ایک جان دو قالب ہیں۔ قائد کا گھر بیت الامت ہے۔ قائد کی کمائی ملت کی کمائی ہے۔ قائد کے اوقات ملت کے لئے ہیں۔ وہ اپنی ذات۔ اپنے اعمال۔ اپنے بود و ماند کی اس طرح نگرانی کرتا ہے گویا ملت کی جانب سے ملت کے سرمایہ کا محتسب اور امین ہے۔

پھر یہاں قیادت کا معیار۔ فرنگی معیار سے جدا ہے۔ یہاں قیادت اور ملت ایک دوسرے کے "الٰہ" نہیں ہیں۔ یہاں جمہور کے امال و امانی کو عزل و نصب کے اختیارات نہیں۔ اور نہ اس کی رضا و خفگی محرک اعمال ہے۔ کتنی قیادتیں ہیں جن کی شمع عوام کی تحسین و آفریں کے روغن سے جلتی ہے۔ جو عوام کے خیر خواہوں کے پر لگا کر اڑتی ہیں عوام کے رحم و کرم کی آغوش میں پرورش پاتی ہیں۔ جو شہرت کی غذا پر زندہ رہتی ہیں۔ عوام کا خندہ ہائے بیجا ان کی موسیقی کا زیر و بم ہے جن کی زندگی کامیابی و اصول عوام کے موج ہائے تبسم کا کھلونا ہے —— یہاں قائد و ملت دونوں الٰہ العالمین کے سامنے سر فگندہ ہیں۔ اسی کی اطاعت و طلب و رضا میں مسابقت کرتے ہیں۔ یہاں قائد۔ مطاع نہیں۔ اطاعت الٰہی و حب رسول میں سب سے زیادہ شدید ہے۔ جو اپنے اور اپنی ملت کے لئے ایکساں معیار زندگی رکھتا ہے جس نے خود کو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک مسئول قرار دے لیا ہے۔ وہ کلمہ گو لوگوں کا قائد ہے۔ اس کا نصب العین اطاعت غیر اللہ سے برأت اور حکومت الٰہی کا قیام ہے۔ اس کا سینہ عشق رسول کا آتشکدہ ہے۔ جس سے تمام اسلامی ہند یکساں حرارت پا رہا ہے۔ کیا مبارک ہے یہ قائد اور کیسی مبارک ہے

اے ملت!

بہادر یار جنگ ایک ہستی کا نام نہیں۔ ملت کے کردار کا نام ہے اس کی عظمت کا پیمانہ ہے۔ اس کے عزائم کی بلندیوں کا نشان ہے۔ اس کے اعمال کی وسعت کا دائرہ ہے۔ اس کی آزادی کا علم ہے۔ اس کے استقلال کی شمشیر ہے۔

بہادر یار جنگ بہادر کی خصوصیات ان کا اپنے شاہ ذی جاہ مالک مجازی آقائے ولی نعمت سلطان دکن ویرار آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہ کی ذات۔ خانوادۂ شاہی۔ اور تاج سلطانی کے ساتھ بے مثل جذبۂ وفاداری ہے اور ان کا خوف الٰہی اور محبت رسول میں سرشار رہنا ہے۔

آصف جاہ اوّل نے سلاطین مغلیہ کی شمع کو بجھنے سے بچا لیا۔ یہ خداوند کریم کا احسان عظیم ہے کہ اس نے ہم کو آصف جاہ سابع جیسا بادشاہ دیا، جو سلاطین اسلامیہ میں اپنی نظیر آپ ہے۔ ایسا حکیم السیاست ایسا بیدار مغز ایسا صاحب کردار ایسا جری دقوی۔ ایسا صبغۃ اللہ میں رنگا ہوا بادشاہ موافق ماحول و سازگار فضا نے اگر اکبر و شاہجہاں۔ مامون و سلیمان کو پیدا کیا تو کیا بڑا کمال تھا۔ لیکن دور حاضر کی پابندیوں میں خسرو دکن نے جو دنیا تعمیر کی ہے وہ بڑی پائیدار اور شاندار دنیا ہے۔ طول و عرض ہندوستان میں سلاطین اسلام کا نام کس کے نام کی وجہ سے باقی ہے۔ لیکن سلطان دکن کی سب سے زیادہ عزیز متاع بہادر یار جنگ ہے۔ بہادر یار جنگ کو مملکت آصفیہ سے وہی نسبت ہے جو خاندان آصفیہ کو سلاطین دہلی سے۔

ہندوستان میں وہ لوگ نہیں رہے جو مسلمانوں کے بین الاقوامی زنجیر کی ایک کڑی تھے۔ ہاں ایک ہے۔ بہادر یار جنگ، جس نے مصر کے بیت الامت اور ام المصرین کو دیکھا۔ امان اللہ خاں کو غلاف کعبہ پکڑے ہوئے دیکھا۔ مصطفےٰ کمال کو اپنے عظمت و کامرانی کے تخت پر دیکھا۔ رضا شاہ کو ایران کدۂ آذری کرتے دیکھا۔ اور ملت افغانیہ کے بطل جلیل نادر شاہ کو استقلال افغانستان کو دوبارہ حاصل اور قائم کرنیکے بعد دیکھا۔

جس کی خطابت میں "تاج" کی رعنایاں "قطب" کی سربلندیاں "دجلہ" کی روانی "قلزم" کا عمق" وادی گنگا" کی شادابی۔ وہ اگر محفل میں ہو تو اس کی نازک بذلہ سنجی۔ گرم محبت۔ شیریں گفتار کے سوا محفل میں کچھ نہ ہو۔ اسکی جوانی میں بچوں کی معصومیت اور کوزہ پشت پیرانہ سالی کا ذمہ دارانہ احساس ہے۔

وہ اگر تن کر کھڑا ہو تو شجاعت و بسالت اس کی زیارت سے قوت پکڑیں۔ دوستوں کو ایسا شفیق۔ کہنے والوں کو ایسا محبت والا۔ بزرگوں کے آداب و مراتب کا پاسدار۔ وضع کا پابند۔ فقر میں غنا اور غنا میں فقر کی شان رکھنے والا دکن کو قائد اور خسروِ دکن کو فداکار و جانباز سپاہی مبارک ہو۔

قیادت کا غرور اور رعنائیاں آپ نے دیکھی ہوں گی۔ قیادت کی گراں باریاں بہادر یار جنگ کے نزدیک آ کر دیکھو۔ قائدین کو سیج پر دیکھا ہو گا۔ بہادر یار جنگ کے کانٹوں کا بستر بھی دیکھو۔

قائدین کی انانیت کی آپ نے کئی مثالیں دیکھی ہوں گی۔ بہادر یار جنگ کا اپنی غلطیوں پر فوری متنبہ اور رجوع والی اللہ بھی دیکھو۔

مملکت حیدرآباد پر وفاق کی لعنت نے دھاوا پکارا۔ جمہوریت و ذمہ دارانہ شیطان نے سر نکالا۔ آریہ سماجیوں نے دھرم یدھ پکارا۔ لیکن جس نے اپنے مالک کی وفاداری میں دن کا عیش۔ راتوں کی نیند حرام کردی اور نہ اپنے منصب سے خود ہٹا اور مملکت کو اپنے موقف سے ہٹنے دیا وہ قائد ملت ہی ہے جمہوریت کے اکثریت و اقلیت کے سراب کی حقیقت کو کس نے دکن میں ظاہر کیا؟ آہ دکن! دو سو برس پہلے بھی تو ہی اسلامیان ہند کا ملجا و ماوی تھا اور آج بھی ہے۔ اسلامیان ہند کو مملکت آصفیہ کی عظمت و حقیقی موقف سے کس نے آگاہ کرایا؟ اور ہندوستان کی ساری عظیم المرتبت ہستیوں کا رُخ حیدرآباد کی جانب کس نے پھیر دیا؟ پاکستان میں پاکستان کا مفاد کون ثابت ہوا؟ سرحد، سندھ اور پنجاب کو پاکستان کی حقیقت سے کس نے روشناس کرایا؟

ماضی کی عظمتوں کا حال میں ترجمان کون ہے؟ اور مستقبل کی درخشانیوں کا مبشر کون ہے؟

اے آزاد حیدرآباد عظیم تر حیدرآباد اسلامی حیدرآباد کے جری مجاہد اے درد ملت سے سینہ فگار، آنکھیں نمناک رکھنے والے! اے امارت و ریاست میں فقر پر قناعت کرنے والے بہادر یار جنگ!

خدا تجھ سے راضی رہے۔ اور تو خدا کی رضا کا طالب۔ اے محبت رسول کے دیوانے تیرا جنون عام ہو۔ اے ملت کے جانباز سپاہی نصرت و تائید الہٰی تیری نگہبان ہو۔ اور اللہ تجھ کو نفس کے اعداء کے زمانے کے فتنوں سے بچائے۔ اللہ تیری ہدایت کرے اور تو ملت کی قیادت۔ تیرے آباؤ اجداد

مورثِ اعلیٰ نے سب سے پہلے برار کو اپنا مسکن بنادیا تو برار کو مت بھول اور اہالیانِ برار کی جانب سے یہ ہدیۂ محبت قبول فرما۔

عبدالمجید خاں

عالیجناب امیر اکبر علیخاں صاحب بیرسٹر ایٹ لا صدر انجمن اتحاد و ترقی حیدرآباد کے تاثرات

مکرمی تسلیم۔ کرم نامہ ملا۔ بہتر تو یہ ہوتا کہ اس غرض کے لئے کسی اور مناسب شخصیت کا انتخاب فرمایا جاتا۔ بہرحال آپ کے ارشاد کی تعمیل میں نواب بہادر یار جنگ بہادر کے متعلق اپنے تاثرات روانہ کر رہا ہوں۔ اگرچہ کہ نواب صاحب کے اور میرے خیالات سیاسی میں بنیادی اختلاف ہے۔

نواب بہادر یار جنگ بہادر نے ایک خاص نکتہ نظر کے تحت مسلمانوں کو منظم کرنے کی جو کامیاب سعی فرمائی ہے اس کا اعتراف کرنا ہر صداقت پسند انسان کا فرض ہے۔ نواب صاحب کی تاجدار دکن اور خانوادۂ آصفی سے غیر متزلزل وفاداری اور خلوص نیت میں کوئی شبہ نہیں کر سکتا۔ صاحب موصوف نے اپنے مسلک کو کامیاب بنانے میں جو غیر معمولی جرأت اور ایثار سے کام لیا ہے وہ لائق مبارکباد ہے۔ یہ بالکل ایک دوسری چیز ہے کہ میری دلی خواہش یہ رہی ہے اور اب بھی یہ ہے کہ صاحب موصوف جیسی ممتاز ہستی کو کسی ایک قوم یا فرقہ کی خدمتگزاری کرنے کے بجائے جماعت اتحاد و ترقی اور تمام اقوام دکن کے قائد ہونے اور جو کمزوریاں میری وجہ سے اس مشترکہ سیاسی جماعت میں ہیں وہ صاحب ممدوح کی قیادت میں

بالکل دور ہو جاتیں۔ لیکن اس وقت تو میں مسلمانِ دکن ہی کی حیثیت کو پیش نظر رکھ کر ہی اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہوں۔ مجھ کو یہ موقع حاصل رہا ہے کہ جو اتحاد کی گفتگو ملک کے دیگر سیاسی قائدین سے ہوئی اس میں شریک رہوں اور نواب صاحب کے اس طریق عمل پر غور کروں جو ایسے مساعی میں ان کا رہا ہے۔

میں بلا خوف تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان کا طریقہ صلح پسند اور ان کی بحث معقولیت پر مائل رہی ہے۔ اور مجھ کو یقین ہے کہ میرے اس خیال سے میرے دوست جناب کاشی ناتھ راؤ صاحب ویدیہ اور پنڈت نرسنگ راؤ صاحب بھی اتفاق کریں گے۔

اور یہ بھی ہم کو بعض مواقع پر بہت ہی خوش گوار استعجاب رہا ہے کہ نواب بہادر یار جنگ بہادر ایسی گفتگوؤں میں خواہ مسائل کیسے ہی تلخ ہوں بہت ہی مختلف انسان ہیں۔ بہ مقابل اس بہادر یار جنگ کے جو کسی پبلک پلاٹ فارم پر ہوتے ہیں اور اکثر تو میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ اگر وہ بلا اپنی پارٹی کے اثرات کو لئے ہوئے اپنے ایقان پر کام کریں تو نود فی صدی صحیح رائے پر پہونچتے ہیں۔ اور طریقہ کار بھی زیادہ مستحسن رہتا ہے۔ مختصر اً یہ کہ نواب صاحب کی ہستی مایۂ ناز اور ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

علاوہ پبلک خدمت گزار کے میرا اور نواب صاحب کا بہت قریبی تعلق مجلس جاگیر داران کے رکن کی حیثیت سے رہا ہے اور جو حضرات مجلس جاگیرداران کی کارکردگی سے واقف ہیں۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ نواب فرخندہ نواز جنگ بہادر معتمد اور نواب شرف الدین خاں شریک معتمد مرحوم کے انتقال کے بعد اگر کسی نے مجلس کو

دوبارہ زندہ کر کے کھڑا کیا تو اس کا سہرا بڑی حد تک نواب بہادر یار جنگ بہادر کے سر ہے جن کی معتمدی میں مجلس کو حیات تازہ حاصل ہوئی۔ اور میرا یہ نہایت خوشگوار تجربہ رہا ہے کہ مجلس جاگیرداراں کے معاملہ میں نواب صاحب نے ہمیشہ انتہائی غیر فرقہ وارانہ طریقہ عمل رکھا اور بلا امتیاز مذہب و ملت ہر جاگیردار کی خدمت اپنا فرض تصور کرتے ہوئے خراج تحسین حاصل کیا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ نواب صاحب فطرتاً اور ان آبائی روایات کی بناء پر جو سلاطین آصفیہ کی مدبرانہ اور دوراندیشانہ پالیسی سے پرورش پاتے ہیں، مشترکہ متحدہ قومیت کی ذہنیت رکھتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ حالات و اسباب نے ان کو اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے، جہاں وہ آج سیاسی حیثیت سے ممتاز ہیں لیکن مشترکہ قائد کی حیثیت سے صاحب موصوف کے لیے اس سے زیادہ ممتاز مقام ہر وقت کھلا ہوا ہے۔

پبلک کی خدمت گزاری اور مجلس جاگیرداران کے تعلق کے علاوہ بھی میرے اور نواب صاحب کے دوستانہ تعلقات نہ صرف دوستانہ بلکہ برادرانہ رہے ہیں۔ اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر میں کسی کو اپنا وصی مقرر کرنے کا ارادہ کروں جو آئندہ میرے ہدایات کی تکمیل کرے اور میری فیملی (FAMELY) کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کرے تو نواب صاحب ان دو تین حضرات میں سے ایک ہیں جن پر میں اس حد تک اعتمادِ کامل کر سکتا ہوں۔

آخر میں میری یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق نیک عطا کرے اور زیادہ سے زیادہ بہتر طریقہ پر ملک اور مالک کی خدمت گزاری کی ہدایت عطا فرمائے فقط

بیت الاکبر سیف آباد

۱۵ اردی ۱۳۵۲ ف

میر اکبر علیخاں

جناب مولوی قاضی علیسیٰ صاحب بیرسٹر ایٹ لا صدر مسلم لیگ بلوچستان کے تاثرات

جناب مکرمی رشید احمد صاحب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ مزاج گرامی؟

والا نامہ باعث مسرت ہوا۔ یاد فرمائی کا بے حد شکریہ آپ نے مجھے قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر مدظلہ العالی کے متعلق اپنے عقیدت مندانہ جذبات وتاثرات کے اظہار کا موقع بخشا ہے۔ جس کے لئے علی الخصوص میں شکریہ کی پیشکش پیش کرتا ہوں۔ قائد ملت موصوف الصدر کی عظیم المرتبت شخصیت کے متعلق میرے جذبات عقیدت کی ایک نامکمل تصویر ذیل کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔

قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر کی عظیم المرتبت شخصیت

اسلامیان ہند کی یہ بے حد خوش قسمتی ہے کہ قدرت نے جہاں انھیں اس وقت قائداعظم مسٹر محمد علی جناح ایسے رہبر کامل اور امت اسلامیہ کی کشتی کو زمانہ کے موجودہ تموج خیز وتلاطم زا بحر حوادث میں بچا بچا کر ساحل مراد تک لے جانے کے لئے وحید العصر میر عطا فرمایا ہے۔ وہاں قدرت نے قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر کی عظیم المرتبت شخصیت جو کردار واخلاق حمیدہ کے اعتبار سے نہ صرف مسلمانان دکن

بلکہ تمام اسلامیانِ ہند میں بے حد محبوب ترین ہے۔" عطا فرما کر ہم پر ایک احسانِ عظیم فرمایا ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ اس قحط الرجال کے زمانے میں قائدِ ملت نواب بہادر جنگ بہادر کی شخصیت ہمارے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے سیاسیات ہند کے اس موجودہ نازک دور میں مسلم قوم کے لئے آپ کی خدمات کو یقیناً ایک بلند مقام اور اہم ترین درجہ حاصل ہے۔ اور وہ خضرِ راہ بن کر رہنمائی کر رہے ہیں۔

میں وثوق سے کہتا ہوں کہ مسلمانانِ بلوچستان حضرت قائدِ ملت موصوف الصدر کی چندروزہ ہنگام قیام کوئٹہ کی علمی۔ ادبی اور سیاسی مفید اور نفع بخش مجالس کے فیضان و استفادہ کو کبھی نہیں بھول سکتے اور اسی طرح اسلامیانِ ہند آپ کے خداداد تدبر، فہم و ذہانت اور سیاسی درک۔ علمی خطابت و فضیلت سے جو فیضان اور قومی اتحاد حاصل کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں وہ ان کے دلوں سے کبھی محو نہیں ہو سکتے۔ مجھے اپنے اس ہر دلعزیز اور محبوب قائد کی عظیم الشان ہستی پر بجا ناز ہے اور میں نے ہمیشہ آپ کی سیاسی رہنمائیوں اور قومی زندگی سے متعلق زریں ہدایات کو نہ صرف یکسو قلبی توجہ سے دیکھا اور سنا ہے، بلکہ بطیب خاطر انہیں قبول کر کے ان پر عمل کی کوشش کی ہے۔ میں صدق دل سے یہ کہتا ہوں کہ

افتخارِ زمانہ ہیں یہ لوگ !
عظمتوں کا نشان ہیں یہ لوگ

مسلم لیگ آفس کوئٹہ (بلوچستان)

قاضی محمد عیسیٰ

میاں بشیر احمد بی۔اے بیرسٹر ایٹ لا ایڈیٹر ہمایوں لاہور کے تاثرات

۲۹ اپریل سنہ ۱۹۴۰ء۔

محترمی! السلام علیکم۔ والا نامہ ملا۔ معلوم ہوا کہ آپ بہادر یار جنگ بہادر کی سوانح حیات مرتب کر رہے ہیں یہ ایک نہایت مبارک کام ہے۔ چونکہ میں بھی ان ہزاروں لاکھوں مسلمانوں میں شامل ہوں جنھیں تھوڑا سا موقع ملا کہ اس محبوب ہستی کے بعض اوصاف سے واقف ہوں۔ لہذا میں نے چند الفاظ میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے اگر انھیں اس قابل سمجھیں کہ کتاب میں درج کریں تو آپ کر سکتے ہیں۔

نیاز مند
بشیر احمد

نواب بہادر یار جنگ بہادر کا صرف اسم گرامی ہی جانتا تھا جدید سیاسیات دکن کے سلسلے میں اخبارات میں بار بار اُن کا ذکر آیا تو معلوم ہوا کہ وہ حیدرآباد کے مسلمانوں کے سب سے محبوب لیڈر ہیں۔ پھر پٹنہ میں ڈسمبر سنہ ۱۹۳۸ء میں جب آل انڈیا مسلم لیگ کے چھبیسواں سالانہ اجلاس کے موقع پر

میں شرکت کے لئے گیا تو حیدر آباد کے مسائل پر ایک مختصر صحبت میں ان کی تقریر سنی جس سے میں ان کا گرویدہ ہو گیا۔ مہینوں گزر گئے کبھی کبھی خیال آیا کرتا کہ کاش کبھی اس محترم ہستی سے پھر ملاقات ہو۔ اُن کی تقریر پھر سنوں۔ میری خوش قسمتی ہے کہ مسلمانانِ پنجاب کی خوش قسمتی کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے ستائیسویں سالانہ اجلاس کے موقع پر وہ لاہور میں مارچ سنہ ۱۹۴۰ء میں تشریف لائے۔ میں کبھی نہ بھولوں گا ۲۴ مارچ کی وہ شام جب مسلم لیگ کے اجلاس کا خاتمہ نواب صاحب بہادر کی تقریر پر ہوا مجلس استقبالیہ کے سکرٹری ہونے کی حیثیت سے میں ان کے قریب ہی بیٹھا تھا۔ کان ان کی دلکش آواز پر لگے ہوئے تھے۔ یہ آنکھیں ان کے پُر جلال چہرے کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھیں۔ دل میں ان کے کلام کا ایک ایک لفظ اُتر رہا تھا مجھے کچھ ایسا معلوم ہوا گویا آغاز اسلام کے زمانے کی کوئی محبوب ہستی ہمارے سامنے آگئی ہے جس میں قوت کے ساتھ محبت اپنا کام کر رہی ہے۔ اور صرف مجھ ہی پر اتنا اثر نہیں ہوا بلکہ اس ہزارہا اشخاص کے مجمع میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو اس حیرت انگیز مقرر کی تقریر کو دل کے کانوں سے بغور نہ سن رہا ہو۔ پنڈال میں کامل خاموشی طاری تھی۔ سارے اسلامی ہندوستان کے نمائندے ایک پُرخلوص پُرجوش، بلند خیال، بلند قامت مسلمان کے سامنے زانوئے ادب طے کئے ہوئے بیٹھے تھے۔ اسلام کی ایک تصویر آنکھوں میں پھر گئی۔ جی چاہتا تھا کہ وہ گھنٹوں تقریر کئے جائیں اور ہم گھنٹوں سنے جائیں۔ جیسے خیالات بلند و پاکیزہ ویسے ہی الفاظ پُرشکوہ و موزوں تعریف کیسے ہو سکتی ہے اور نواب صاحب محض ایک مقرر نہیں۔ انھیں دنوں میں مجھے ان سے بارہا ملاقات کا شرف نصیب ہوا۔

مجھے معلوم ہوگیا کہ وہ ایک سچے مسلمان، ایک ہوش مند انسان، ایک ہمدرد دوست اور ایک دُوراندیش رہنما ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک ایسے ہی بلند پایہ لیڈر کی ضرورت تھی۔ خدا انھیں عمرِ دراز عطا فرمائے۔

بشیر احمد

مولانا راغب احسن صاحب جائنٹ ایڈیٹر اسٹار آف انڈیا

و جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ کلکتہ

اسٹار آف انڈیا آفس کلکتہ

خدا کا شکر ہے کہ حیدرآباد کی تحریک ملی کو فطری قیادت کی نعمت خداوندی حاصل ہے۔ اور نواب بہادر یار جنگ بہادر اس دولت اسلامی کے آج مسلمہ پیدائشی لیڈر ہیں۔ دسمبر ۱۹۳۸ء میں مجھے نواب صاحب سے پٹنہ کے اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ میں ملنے کا اتفاق ہوا۔ میرا خیال ہے کہ بہادر خاں ایک جری جنرل ایک فراست مومن رکھنے والا مدبر۔ ایک روح پرور خطیب اور ایک پیدائشی لیڈر ہے حیدرآباد نے یہ شخصیت اپنی تاریخ کے ایسے مرحلے پر پیدا کیا ہے جب کہ سب سے زیادہ اس کی ضرورت تھی۔ یہ علم و عمل اور عقل و دانش گفتار و کردار کا بادشاہ ہے اور جرأت فکر اور جرأت عمل کی خوبیوں کا جامع ہے اس کی ذات میں حب ملک و وطن اور حب دین و ملت کا اعلیٰ ترین امتزاج ہے۔ وہ مفکر و مجتہد بھی ہے اور مجاہد بھی اور مرد میدان بھی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ اس کو کمال اور جوہر کا ہندوستان میں جانشین اور نمائندہ بنائے اور اس سے ملک و ملت کی امیدیں پوری ہوں۔

خادم

راغب احسن

عالیجناب نواب طلعت اللہ خاں صاحب جاگیردار کرنول کے تاثرات

قائدِ ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر سے متعدد بار خصوصی ملاقات اور تبادلۂ خیالات کا موقعہ رہا۔ قائد ملت نواب صاحب کی ذاتِ ستودہ صفات فی الحقیقت تعریف و توصیف سے کہیں بالاتر ہے۔ اگر سچ پوچھئے تو قائد ملت کے اوصاف پر روشنی ڈالنے کا حق صرف انھیں لوگوں کو پہونچتا ہے۔ جو کہنہ رس اور جوہر شناس قلب و نظر رکھتے ہیں مجھ جیسے بے بضاعت شخص کا ان کے بارے میں کچھ لکھنا۔ ران ملخ بہ سلیمان پیشکش بردن۔ کے مترادف ہے قائد ملت نواب صاحب نے جب مسلمانانِ دکن کو راہ گزار حیات میں گم کردہ راہ اور تشنہ لب راہی کی طرح بھٹکتے اور جان توڑتے ہوئے پایا تو خضر راہ بن کر مدد کے لئے آگے بڑھے۔ ان کے حلق میں آب حیات ٹپکایا اور کہا کہ تمھیں منزل مقصود تک پہونچاؤں گا جو قوم کل تک موت کی گھڑیاں گن رہی تھی اور بظاہر صبح و شام کی مہمان تھی۔ اس کے مردہ جسم میں بمصداق

"مردے از غیب بروں آید و کارے بکند"

اس مسیحائے دکن قائد ملت نے رُوح پھونک دی اور پھر ایک بار زندگی کی

خشک کھیتی ہری بھری ہو کر لہرانے لگی۔ نواب صاحب کی ذات میں فقر و امارت دونوں ہم آغوش نظر آتے ہیں۔ وہ امیروں سے زیادہ غریبوں سے مل کر زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ خدا نے انھیں ایک نڈر دل۔ اعلیٰ تدبر اور حقیقی جذبۂ اسلام مرحمت فرمایا ہے۔ اس موقعہ پر مجھے ایک واقعہ یاد آگیا جس سے آپ موصوف کی اسلام پرستی اور اسلامی تہذیب سے دلی لگاؤ کا کسی قدر اندازہ کر سکیں گے۔ ایکبار قائد ملت نواب صاحب کرنول تشریف لائے ہوئے تھے۔ واپسی کے وقت ایکبار اسٹیشن پر لوگوں کا کافی ہجوم تھا۔ بعض انگریزی تعلیم یافتہ مسلم نوجوانوں نے ہپ ہپ ہُرے نعرے بلند کئے اس پر نواب صاحب نے ایک مختصر تقریر فرمائی جس کا ہر لفظ اسلامیت میں ڈوبا ہوا تھا موصوف نے نوجوانوں کو غیرت دلائی اور نصیحت فرمائی کہ ایک مسلمان کو ہر موقع پر اسلامی کلمات استعمال کرنے چاہئے۔

حقیقت یہ ہے کہ انھیں ہستیوں کے دم سے اسلامی آن بان قائم ہے اور مسلمانوں کی ڈگمگاتی کشتی ساحل امید کی طرف بڑھ رہی ہے۔ قائد ملت زندہ باد

لال بنگلہ کرنول

روز شنبہ ۱۲ دسمبر ۱۹ء

طلعت اللہ خاں

صدیق دکن سید محمد قاسم رضوی بی۔اے۔ایل ایل۔بی وکیل و معتمد انجمن اتحاد المسلمین لاتور (دکن) کا پیغام

لاتور (دکن)، مورخہ ۷ ہر اردی بہشت ۱۳۴۹ ف

مکرمی! وعلیکم السلام

میں آپ کی اس سعی مسعود پر رشک کرتا ہوں اور آپ کو مبارک باد دیتا ہوں میں ایک ذرۂ ناچیز کس طرح کہوں کہ آفتاب عالمتاب چمک رہا ہے۔ میرا اس مثنی عزیز کے متعلق کچھ کہنا بے سود ہے۔ میں کہنے کا قائل نہیں۔ کرنے کا قائل ہوں۔ ہر ذرہ کا آفتاب کی ضیاپاشی سے چمک جانا خود زبان حال سے آفتاب کی ضیاپاشی کو عیاں کرتا ہے جب کسی قوم پر ادبار آجاتا ہے اور افراد قوم ذلالت اور نکبت کی گہرائیوں میں گھر جاتے ہیں اور جب ان کے از خود ابھرنے کی کوئی توقع باقی نہیں رہتی تو اللہ پاک ان کی اصلاح کے لئے اپنا ایک نمائندہ بھیجتا ہے۔ کوئی اس کو رفارمر کہتا ہے تو کوئی مصلح کوئی اوتار کہتا ہے تو کوئی پیغمبر۔ اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ آیا دکن کے مسلمانوں کی حالت اللہ پاک کی اس توجہ کی متقاضی تھی یا نہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہم بنی اسرائیل سے بُرے۔ زمانۂ جاہلیت کے عربوں سے ارذل اور ہر اس قوم سے بدتر ہو چکے ہیں جس کی ازمنۂ گزشتہ میں اللہ پاک کو کسی مصلح یا پیغمبر بھیجنے کی ضرورت ہوئی۔ ہمارا ایمان ہے کہ

نبی ختم المرسلینؐ تھے۔ اور اب کوئی نبی ہماری اصلاح کے لئے نہ آئے گا لیکن مصلحین کے بھیجے جانے کا امکان ہے اور ہماری حالت زار اس کی متقاضی۔ ممکن ہے کہ کوئی مجھ سے مختلف الخیال ہو۔ لیکن میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ دکن کے مسلم خوابیدہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہادر خان کو ایک مصلح بنا کر بھیجا۔ اس مصلح نے اس قوم بیمار کے لئے جو کیا وہ عیاں را چہ بیاں کا مصداق ہے۔

"مردے از غیب بروں آید و کارے بکند"

اب یہ افرادِ ملت کے ہاتھ ہے کہ وہ یا تو بنی اسرائیل کی طرح اللہ کے پیغام اتحاد کو ٹھکرا دیں اور ان کی طرح ہمیشہ کے لئے ذلیل و خوار ہو جائیں یا بہادر خاں کی آواز حی علی الفلاح پر لبیک کہیں اور قرونِ اولیٰ کی طرح اپنی دین و دنیا بنا لیں۔

فاعتبروا یا اُولِی الابصار

خادم

قاسم رضوی

پیغام۔ ابو البیان خواجہ بہاء الدین صاحب مدظلہ، سابق معتمد انجمن اتحاد المسلمین و حال صدر موتمر مسلم نوجوانانِ دکن

مکتبہ علمیہ چار مینار۔ حیدرآباد (دکن) مورخہ ۸ رفروری ۱۹۴۳ء

مکرمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ نامۂ کرم کے لئے دلی شکریہ قبول فرمائیے نواب صاحب کی سوانح کی حقیقتاً ملک کو بڑی ضرورت تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ آپ کے ذریعہ پوری ہو رہی ہے۔ نواب صاحب کے متعلق گزشتہ میلاد کانفرس کے خطبہ استقبالیہ میں جن خیالات کا میں نے اظہار کیا ہے اس میں نہ کوئی مبالغہ تھا اور نہ حق شاعری وہی الفاظ میرے حقیقی خیالات کے آئینہ دار ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ دکن کے مسلمانوں میں ذکرِ رسولؐ نے لہر دوڑا دی ہے اور ہر شخص اپنی جگہ پر ذمہ داری محسوس کرنے لگا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس ذمہ داری کا کریڈٹ اس عظیم الشان اجلاس کے محترم صدر میرے دوست نواب بہادر یار جنگ بہادر کو ملنا چاہئے۔ جن کی عملی زندگی نے خوابیدہ روحوں کو بیدار اور راحت پسند دماغوں کو چونکا دیا ہے وہ بہادر یار جنگ جس کے لئے پھولوں کی سیج ہر وقت میسر ہے آج اسلام کی خدمت کے لئے کانٹوں کے بستر پر لوٹنے کے لئے ہر دم تیار ہے۔ موتمر کے ارکان نے ایسے عظیم المرتبت انسان کو اس عظیم الشان اجلاس کا صدر منتخب کر کے ملک کی متفقہ آواز کی ترجمانی کی ہے۔ زیادہ نیاز۔

نیاز آگیں
ابو البیان خواجہ بہاء الدین

قائدِ ملت کا پیام

مسلمانوں کے نام

متلاشی نگاہیں جب ختمی مرتبت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برگزیدہ تعلیم کا مذاہب سابقہ سے مقابلہ کرتی ہیں تو جو خصوصیات سب سے پہلے اور سب سے آخر میں بے نقاب ہوتی ہیں وہ اسلام کی مرکزیت اور اجتماعیت ہے وہاں فردِ ملت بلا ربطِ ملت کوئی وجود ہی نہیں رکھنا چاہے عبادات میں ہو یا معاملات میں "اخلاقیات میں ہو یا سیاسیات میں" اس حقیقتِ کبریٰ کو شاعرِ حیات علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اس طرح بیان کیا ہے :-

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

ایک زمانہ تھا کہ خود ذاتِ قدسی صفات حضرت سید الکائنات ربطِ ملت کے لئے رشتۂ وحدت تھی۔ لیکن آج جب کہ زمانہ ان رشتوں کے رنگ اور روپ کو بدل چکا ہے۔ ملتِ اسلامیہ کی حیاتِ اجتماعی کا مدار اسی پر ہے کہ اپنے ایک یا زیادہ افراد کو کامل غور و فکر کے ساتھ اپنی فلاح و بہبود کا ضامن بنا کر چنیں اور ان سے

منسلک ہو جائیں۔ یہ حقیقت اب کسی دلیل کی محتاج نہیں رہی کہ

" اتفاق میں نصرت دین ہے اور نفاق میں ہزیمت "

آج مسلمانانِ دکن کی حیاتِ اجتماعی کی ذمہ دار مجلس اتحاد المسلمین ہے اسی سے منسلک رہنے میں ان کی اجتماعی و سیاسی فلاح و نجات اور اس سے ہٹ کر گروہ بندی میں ان کے لئے ہلاکت و عذاب ہے۔

مسلمانو! مجلس اتحاد المسلمین کے ہو جاؤ اور اس کو اپنا بنا لو۔ وہ جدھر چلائے اُدھر چلو اور وہ جو کہے وہ کرو۔ اور وہ بگڑے تو اس کو سدھارو لیکن اس سے ہٹ کر کسی اور طرف نہ دیکھو کہ اس وقت زمانے کی سب سے بڑی پکار مرکزیت ہے

بہادُر خاںؔ

قائد اور ملّت

یہ تاریخ انسانیت کا ایک لرزہ فگن باب ہے کہ جب نسل انسانی صحیح رہنمائی کے زرّین عہد سے دُور جا پڑتی ہے اور پیام حیات کے مضمرات سمجھنے سے اس کا فہم عاجز و ماندہ ہو جاتا ہے! اور قوائے عقلی کے ساتھ ساتھ قوائے عمل میں بھی پستی و اضمحلال کے آثار رونما ہو جاتے ہیں۔ وہ عروج کی جگہ تنزل بلندی کی جگہ تسفل اور اقبال کی جگہ ادبار و پستی کا شکار ہو جاتی ہے ہمارے سامنے ایک کھلی ہوئی مثال خود ہمارے ممالک اسلامیہ کے زوال اور مسلمانوں کے ہر جہتی انحطاط کی موجود ہے۔ دنیا کے اس گوشہ سے اس گوشہ تک پھیلی ہوئی اسلامی حکومتوں کے انقراض و زوال کا افسانہ کس کو نہیں معلوم۔ غرناطہ کی مشہور عالم جامعہ اور عربی عمارتوں اور قوت الاسلام کے جلالت و جبروت کی تاریخ کس کی نگاہ سے پوشیدہ ہے ہندوستان کے تاج محل اور قطب مینار جس فاتحانہ شان و شوکت کے علم بردار ہیں۔ جونپور کا پل، قلعہ اور عبادت گاہیں جس فرو شکوہ کی عزادار ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ان کی خونیں داستان حساس دلوں اور آمادہ عمل رُوحوں میں انقلاب نہ برپا کر دیتیں۔ اس لئے کہ یہ صرف زمین کے چند ٹکڑوں کے چھن جانے ہی کا ماتم نہ تھا بلکہ اس سے مسلمانوں میں فقدان خودی۔ احساس کمتری۔ مرعوبیت۔ بیکسی۔ پست ہمتی۔ و نائت۔ اخلاقی کمزوری

اور نفاق و انتشار کی ایسی وبا پھیل گئی تھی کہ دانایانِ ہند مدتوں اس کے علاج کے لئے سرگرداں رہے مگر ہر تدبیر ناکام ہوئی اور ہر رائے شکست پاتی گئی انھیں مدبرین میں ایک جماعت وہ بھی تھی جس کے شیوہ ماتم کی ہر گوشہ میں تقلید کی گئی۔ جو نیا حادثہ بپیش آتا اس جماعت کا یہی کام تھا کہ اس سرے سے اُس سرے تک اخبارات و رسائل میں صف ماتم بچھا دی جائے اور اظہار افسوس و حسرت ہی پر اکتفا کر لیا جائے مگر ان بزرگانِ ملت کو اس کی خبر نہ تھی کہ یہ طریقہ اگر ایک طرف جذبات کے اشتعال میں ایک طرح کا سکون پیدا کرتا ہے تو دوسری طرف حرکت و عمل کی دنیا میں دلولوں اور اُمنگوں کی موت کا بھی سامان کر دیتا ہے اور افراد ملت میں یہ موہوم خیال ایک حقیقت کی طرح راسخ ہوتا چلا جاتا ہے کہ اب ہم سے کیا ہو سکتا ہے۔ دُنیا کی ہوا بدل چکی ہے۔ رنگ دوسرا ہو چکا ہے۔

زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز

قوموں کی تاریخ میں یہی وہ خطرناک منزل ہے جہاں پہنچنے کے بعد بڑی بڑی شہنشاہیت والی اور شاندار روایات اور جاہ و جلال والی قوموں کو قدرت کے انتقام نے دبوچ لیا ہے پھر ان کی کوئی بھنبھناہٹ بھی کسی نے نہ سُنی

وَهَلْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا

مگر احترام و عزت کے ساتھ ہماری گردنیں ان محسنوں کے سامنے جھک جاتی ہیں جن کی دوربین نگاہ ہوں نے مرض مُزمن کی ماہیت کو پا لیا اور اصلی اسباب کی تشخیص کی۔ ماتم عزا اور حسرت و یاس کے بجائے دلوں میں امید کا چراغ روشن کیا اور گرفتار یاس و حسرت ملت کو غفلت و سرشاری کے خواب سے

بیدار کیا۔ اللہ اپنی رحمت فرمائے۔ سرسید اور شیخ الہند اور مولانا محمد علی جوہر اور علامہ اقبال کی ارواح قدسیہ پر جن کی ہمت بلند نے جمود و تعطل کی بساط اُلٹ دی اور ارتقاء ملی کا ایک شعلہ انگیز جذبہ دلوں میں پیدا کر دیا۔ جس سے نئی نسل نے یہ محسوس کیا کہ اگر وہ اپنی اسی ہیچ میرزئی اور بے مقداری کے تنزل آفریں تصور میں رہ جائیں گی تو وہ اس دنیا میں کبھی امن و چین کا سانس نہ لے سکیں گی اور زمانے کا بے رحم ہاتھ اس کے زمانے اور ڈھکیلنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھے گا۔

آج یہی زمانے سے جنگ و منافرت کرنے کا جذبہ ہے۔ جو ہماری تمام کامیابیوں اور کامرانیوں کا ضامن ہے آج ہم نہایت فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ایسے نازک دور میں سب سے سب پہلے اور سب سے آخر جس ہستی نے بیداری کا صور پھونکا اور سرزمین دکن کو اس کے حقیقی خطرات سے آگاہ کیا وہ ہمارے محبوب رہنما قائد ملت **نواب** بہادر یار جنگ بہادر کی ذات گرامی ہے۔ عظیم زحیدرآباد نے اس عظیم تر ہستی کو اس وقت پیدا کیا جبکہ شیرازۂ ملت بکھرا ہوا تھا۔ نااتفاقی کی ہوائیں اوراق ملت کو پراگندہ کر رہی تھیں۔ راہ کی ناپائیداری نے غرباء کو گم گشتۂ راہ اور امراء و رؤسا، کو تن آساں بنا دیا تھا۔ غم بربادی سے گو دل خالی نہ تھے مگر بربادی غم نے پوری قوم کو نڈھال کر دیا تھا۔ ہمتیں پست۔ ارادے مضمحل اور افکار ژولیدہ ہو چکے تھے۔ ہر طرف افسردگی اور ہر سمت یاس و حسرت کا منظر تھا۔ اس عالی ہمت مرد خدا کی زلزلہ انگیز صدائے رعد سے ہر طرف زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ مایوسیاں اُمید سے بدل گئیں اور یاس و حسرت کی جگہ آرزوئے حیات نے لی۔ غم بربادی کی جگہ تعمیر قوم کا خیال عام ہونے لگا۔ ہمتوں میں بلندی اور ارادوں میں استقلال پیدا ہو گیا۔

لیکن جہاں تک امرا، قوم کا سوال ہے قائدِ ملت کی ہمت بلند ابھی مصروفِ عمل ہے اور مرحوم علامہ اقبالؒ کی زبان میں۔

نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی

وہ زمانہ دُور نہیں جب کہ خطیبِ اعظم کی شعلہ نوائیوں سے اس "ذوقِ نغمہ سے محروم گروہ کا پیراہن بھی سُلگ اُٹھے۔

مبصر نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ اس خدا کے سپاہی کی صداقت انگیز آواز نے برسوں کی خفتہ ملت کے اندر ہیجان و اضطراب پیدا کر دیا ہے زندگی کے لئے اور حقیقی زندگی کے لئے ...... قدرت اپنے مصالح اور حکمتوں کو خوب سمجھتی ہے اور انہیں مصالح کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے قدرت کو جب کسی قوم کو معراجِ ترقی پر پہنچانا اور اس کو اپنے فیوض و برکات سے نوازنا ہوتا ہے تو وہ ایک ایسی ہستی کی تخلیق کرتی ہے، جس کے افکار و خیالات سطحِ عام سے بہت بلند ہوتے ہیں اور اس کا دل ملت کے مصائب سے ہر وقت مضطرب اور بے چین رہتا ہے۔ اسی طرح ایک عظیم الشان اور بلند مرتبت انسان پیدا ہوتا ہے جس کی تربیتِ نفس اور تکمیلِ قوائے ذہنی و دماغی نہایت خاموشی کے ساتھ ہوتی رہتی ہے حتیٰ کہ وہ منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو کر اپنے کارناموں سے ملک کو ایک حیاتِ جدید سے ہمکنار کر دیتا ہے۔

وہ عظیم الشان انسان ملک کی خامیوں اور اپنی قوم کی کمزوریوں کو محسوس کرتا ہے اور اس کی کامل نبض شناسی کر کے ان کو دُور کرنے کے لئے ان کے حقیقی اسباب و علل پر غور کرتا ہے اور ایک مضبوط و مستحکم لائحہ عمل آہنی اور راسخ عزم کے ساتھ تیار کرتا ہے اور نہایت جرأت و ہمت کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہو کر ملک اور قوم سے

ادبار و نکبت کی گھٹاؤں کو دُور کر کے اس نئے مستقبل کے اُفق کو درخشاں بنا دیتا ہے اور یہی انسان اس ملک میں حیات جدید کا بانی اور تعمیر نو کا حقیقی موسس کہلاتا ہے۔

لسان الامت قائدِ ملت پروانۂ شمع آصفی جاں نثار ملک و مالک نواب بہادر یار جنگ بہادر کی ذات پُرصفات حیدرآباد اور حیدرآبادیوں کے لئے اسی عظیم الشان شخصیت کی مظہر ہے۔

۲۷ ذیحجہ ۱۳۲۲ھ ہندوستان اور خصوصاً دکن کی تاریخ میں یادگار رہے گا کہ اسی دن دکن کا یہ مایۂ ناز سپوت اور اسلام کا قابل فخر فرزند بہادر خاں عدم سے وجود میں آیا کسے خبر تھی کہ عیش و عشرت کی گود میں پلا ہوا امیری اور دولت مندی کے گہوارے میں جھلا ہوا بچہ محمد دولت خاں صاحب کے خاندان کا چشم و چراغ اور نصیب یار جنگ بہادر کا نور نظر، مفید الانام میں الجبد خوانی کرنے والا بچہ مدرسہ عالیہ کی پرائمری جماعتوں میں تعلیم پانے والا۔ دارالعلوم کا طالب علم آگے چل کر ملک اور مالک کا حقیقی خادم ثابت ہوگا جس وقت نواب صاحب پیدا ہوئے تو اس وقت آپ کے والدین اور اہل ملک کو یہ خبر بھی نہ تھی کہ ایک دن آپ کی قابلیت اور سیاست دانی کا سکہ سارے ہندوستان میں مانا جائے گا اور آپ کا نام آفتاب عالمتاب کی ضیا پاش کرنوں کی طرح ملک کے طول و عرض میں منور ہوگا۔

حالاتِ خاندانی

نامناسب نہ ہوگا اگر یہاں نواب صاحب کے خاندانی حالات نہایت اختصار سے بیان کئے جائیں کیوں کہ اگر ان حالات کو تفصیل سے لکھا جائے تو ایک دفتر درکار ہوگا۔

اور اس چھوٹی سی کتاب میں اس کی گنجائش نہیں۔

نواب صاحب قدیم افغانی خاندان کے قبیلہ سدوزئی کے خاص پٹھان جن کو عرف عام میں بنی پٹھان بھی کہا جاتا ہے احمد شاہ ابدالی کے عہد حکومت میں افغانستان سے نکل کر سرزمین ہند میں داخل ہوئے ابتداءً آپ کے جد اعلیٰ محمد دولت خاں اول اس وقت جب کہ سلطنت مغلیہ کا ستارہ عروج پر تھا اپنے وطن افغانستان سے ہندوستان تشریف لائے اور قصبہ بوراباسٹ ریاست جے پور میں قیام پذیر ہوئے ان کے تین لڑکے محمد نصیب خاں ۲ محمد ماندور خاں اور ۳ محمد بہادر خاں اوّل تھے پیشہ کے اعتبار سے یہ گروہ تاجر تھا جس کے افراد نیل کے رنگ اور کپڑے کی کامیاب تجارت کے باعث بڑی باعزت زندگی بسر کرتے تھے ۱۲۳۵ھ میں آپ کے خاندان نے جنوب کی طرف کوچ کیا اور حیدرآباد اس وقت آئے جبکہ مملکت آصفیہ کی عنانِ حکومت نواب سکندر جاہ بہادر کے ہاتھوں میں تھی۔

جس وقت دولت خاں اوّل دکن تشریف لائے تھے اس وقت دکن کی عجیب حالت تھی ہر طرف خانہ جنگیاں برپا تھیں ایک طرف مرہٹہ اقوام فتنہ و فساد برپا کر رہی تھیں تو دوسری طرف لٹیروں بدمعاشوں اور ٹھگوں نے اُودھم مچا رکھا تھا۔ محمد دولت خاں اول مذہبًا ایک مضبوط عقیدہ بزرگ تھے جن کے حالات زندگی میں ایمان راسخ کی عجیب و غریب مثالیں ملتی ہیں پیشہ کے اعتبار سے گو آپ تاجر رہے لیکن نسلاً سپاہی تھے۔ چنانچہ اپنے سپاہیانہ اوصاف کی بناء پر نواب سکندر جاہ بہادر کے دربار میں رسائی پائی۔

نواب سکندر جاہ بہادر کی مردم شناس نگاہوں نے دولت خان اوّل جیسے

منتظم آدمی کو بہت جلد پہچان لیا! اور انھیں اس فتنہ و فساد کو فرد کرنے کے لئے مامور فرمایا۔ دولت خاں اوّل اور ان کے بڑے صاحبزادے نصیب خاں اوّل نے نہایت تدبّر اور دور اندیشی سے فتنہ و فساد کو فرو کر دیا ظالموں اور بدمعاشوں کو کیفر کردار کو پہونچایا مظلوموں کی دادرسی کی اور مخالف عناصر کو آپس میں اس طرح ملا دیا اور ان میں الفت و محبت کا ایسا سحر پھونکا کہ ہر جگہ امن و آمان ہو گیا۔ اسی وقت سے اُن کا شمار سلطنت کے وفاداروں اور جاں نثاروں میں ہونے لگا۔ ان تمام کارگزاریوں سے خوش ہو کر نواب سکندر جاہ بہادر نے ان پر الطاف و اکرام کے دروازے کھول دیئے ان کی گراں مایہ خدمت کے صلہ میں نصیب خاں اوّل کو بہت سارے اعزازات عطا کئے گئے جمعیت رکھنے کا اعزاز عطا کیا گیا اور بالا گھاٹ کے نیچے صوبہ برار میں تقریباً ۴ لاکھ کی جاگیریں عطا کی گئیں اور دو ہزار سوار نوبت۔ برق انداز ہاتھی پالکی میانہ و آفتاب گیری تمنکہ وغیرہ جو کہ اس زمانے میں نہایت اعلیٰ اعزازات تھے عطا کئے گئے اور ہفت ہزاری منصب سے سرفراز کئے گئے اور وعدہ کیا گیا تھا کہ آئندہ مزید فوجی اختیارات بھی عطا کئے جائیں گے اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ مملکت آصفیہ میں کس قدر قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ اس زمانے میں مبارز الدولہ و ناصر الدّولہ کے فتنہ کو نہایت خوبی سے ختم کرنے میں اسی خاندان کا ہاتھ تھا چنانچہ نواب ناصر الدّولہ نے بدست خود نصیب خاں کو خلعت سراپا سے مزیّن فرما کر نواب کے لقب سے ملقب فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ مزید اعزازات خانی۔ بہادری۔ عماری و نوبت وغیرہ سے بھی سرفراز فرمایا کندور اور اکٹ پلی لال گڑھی وغیرہ مواضعات جاگیریں عطا کئے گئے اور ایک ہزار سوار

اور دو ہزار روپیہ کا منصب جلیل بھی کیا گیا اور سر دلی پٹ ڈھنیا سری کی مالگزاری سواروں کے اخراجات کے لئے منظور کی گئی۔ ان واقعات سے یہ واضح ہے کہ نواب صاحب اور آپ کے خاندان کا کس قدر تعلق تاج آصفیہ سے ہے۔

نواب نصیب خاں اوّل نے اپنے اکلوتے بھتیجے دولت خاں ثانی کو چھوڑ کر ۲۹ ربیع الثانی ۱۲۷۱ھ کو انتقال کیا ان کے انتقال کے بعد دولت خاں نصیب یاور جنگ ثانی ہوئے۔ ان کے فرزند محمد نصیب خاں نصیب یاور جنگ ثالث تھے جن کے تین فرزند محمد بہادر خاں نواب بہادر یار جنگ بہادر (۲) نواب ماندور خاں (۳) نواب محمد دولت خاں بی اے۔ ال ال بی ہیں۔

قائد ملت کا شجرۂ خاندانی

محمد دولت خاں اوّل

محمد نصیب خاں — محمد ماندور خاں — محمد بہادر خاں اوّل

محمد دولت خاں (نصیب یاور جنگ ثانی)

لڑکی — لڑکی — لڑکی — لڑکی — محمد نصیب خاں (نصیب یاور جنگ ثالث)

محمد بہادر خاں قائد ملت — نواب محمد ماندور خاں — نواب محمد دولت خاں ثالث بی۔اے۔ال ال بی

پیدائش

نواب صاحب بتاریخ ۲۷۔ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ م ۳؍ فروری ۱۹۰۵ء بمقام حیدرآباد متولد ہوئے آپ کی عمر ابھی ایک ہفتہ کی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ آغوش مادر سے محروم ہوگئے۔ سب سے اوّل جس درس گاہ میں بچہ تعلیم حاصل کرتا ہے تو وہ درس گاہ ماں کی گود ہوتی ہے اور اسی درس گاہ میں بچّے کے اندر مستقبل کے لئے تخیلات کی نشو نما ہوتی ہے چنانچہ اگر نپولین بوناپاٹ اپنی ماں کی آغوش تربیت سے علیحدہ کردیا جاتا تو یہ عین قرین قیاس ہے کہ وہ ہرگز وہ شہرہ آفاق قابلیت اور شہرت حاصل نہ کرتا جس نے اس کے نام کو اہل دُنیا کی نظروں میں اور خصوصًا احرار کی نظروں میں غیر فانی بنادیا ہے۔ جارج واشنگٹن جس کا نام تاریخ حرّیت امریکہ میں تاابد دَرخشاں رہے گا۔ اس کی بے مثل قربانیاں اور سرفروشیاں اس کی ماں ہی کی تعلیم و تربیت کے منت کش اور شرمندۂ احسان ہیں مصطفےٰ کمال کو جس نے اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو سنبھالا ہی نہیں بلکہ اس میں وہ رُوح پھونکی کہ آج نہ صرف ترکی بلکہ عالم اسلام کا بچہ بچہ جذبہ حُریت سے مست نظر آرہا ہے محض ان کی والدہ محترمہ زبیدہ خانم ہی کی تربیت نے اتاترک کو علمبردار حُرّیت بنایا ہے۔ ترکوں کو ہر دس پندرہ سال میں کسی نہ کسی دشمن سے نبرد آزما ہونا پڑتا تھا بارہا ایسا معلوم ہوا کہ مسیحی دول یورپ نے ان کو صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹانے کا قطعی فیصلہ کرلیا ہے اور یکے بعد دیگرے ان پر حملہ آور ہوتے رہے طرابلس کی طوفان خیز جنگ، بلقان کا سیلاب عظیم بادِ کفر کی تند آندھیاں جس طرح ترکانِ احرار کو حرف غلط کی طرح مٹانے میں کوشاں رہی ہیں

وہ تاریخ کے پڑھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہیں پھر وہ آخر کیا بات ہے جس نے اب تک ترکوں کو صفحۂ ہستی پر قائم رکھا ہے وہ کیا شئے ہے کہ ایک چھوٹی سی جماعت جس کا تصور عیسائیوں کی نظروں میں بجز اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ وہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کہتی ہے اور صرف ایک خدا کی پرستش کرتی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا آخری پیغامبر مانتی ہے۔ ان تمام مصائب کے باوجود زندہ ہے اور اپنا آزادانہ وجود برقرار رکھے ہوئے ہے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب تک ہماری انکی عورتوں میں اپنے بچوں کے گلوں میں اپنے ہاتھوں سے سونے اور چاندی کے زیورات کے عوض کا نٹوں کو کے ہار پہنا کر اور ریشمی لباس کے بدلے آہنی زرہ بکتر پہنا کر میدان جنگ میں روانہ کرنے کا جذبہ موجود رہے گا۔ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت، طواغیت باطلہ کی بڑی سے بڑی کوشش اور دول یورپ کی بڑی سی بڑی ضرب بھی ان کو فنا نہیں کر سکتی اگر نپولین بونا پارٹ اور جارج واشنگٹن اور غازی مصطفےٰ کمال کی بے مثال قربانیاں اور سرفروشیاں ان کی ماں کی منت کش اور شرمندۂ احسان تھیں تو اسی طرح قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر کو اپنی والدہ کے انتقال کے بعد اپنی نانی کا آغوش نصیب ہوا۔ انھیں استقلال۔ ہمت۔ بردباری۔ اور دور اندیشی ورانتاً ملی تھی اور ان میں وہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں جو ایک مسلمان عورت میں ہونی چاہیئے جب قدرت کو بہادر خاں جیسے دلیر انسان کو پیدا کرنا مقصود ہوا تو اس کے لئے اس نے سامان بھی مہیا کر دیا اور ماں کی کمی کو نانی کے ذریعہ پورا کر دیا۔ اس وقت سے چودہ سال تک پرورش اور تربیت نانی صاحبہ کے ذمہ رہی مرحومہ ایک باخدا اور بڑی دیندار خاتون تھیں تلاوتِ قرآن مجید میں اور قومی معاملات سے دلچسپی اور اخبار بینی آپ کی

وہ ممتاز خصوصیات تھیں جن کو آج آپ قائد ملت میں دیکھ رہے ہیں۔ نواب صاحب اکثر فرمایا کرتے ہیں۔

"جو کچھ میرے اندر ہے وہ سب کچھ ان ہی چودہ سال کی حاصل کردہ کمائی ہے"

ابتدائی تعلیم

نواب صاحب کی ابتدائی تعلیم مدرسہ عالیہ اور مفید الانام اور آل اڈٹن ہائی اسکول میں ہوئی۔ عربی، فارسی و دینی تعلیم مولوی سعد اللہ خاں صاحب اور مولوی سید اشرف شمسی صاحب جیسے قابل حضرات سے پایہ تکمیل کو پہونچی ان علما، کی مردم شناس نگاہیں جب نواب صاحب پر پڑیں تو اس ذہین طالب علم کو انھوں نے فوراً اپنی آغوش تربیت میں لے لیا۔ اور اسی طرح نواب صاحب کی ادبی اور ذہنی نشو نما ایسے اعلیٰ ماحول میں ہوئی مولوی سعد اللہ خاں صاحب اور مولوی سید اشرف شمسی صاحب کی رہبری میں نواب صاحب مدرسہ دار العلوم میں شریک ہوئے جہاں پر اس وقت بہترین اساتذہ سرگرم کار تھے جن کے خلوص اور ایثار سے متاثر ہوکر ہر طالب علم اپنے آپ کو زندگی کی ایک نئی شاہ راہ پر لگا دیتا تھا۔ ان میں کام کرنے اور کام آنے کے جذبات تربیت پار ہے تھے ملک اور قوم کی شیرازہ بندی کے لئے ان کے دلوں میں ہیجان برپا تھا۔ میٹرک کے امتحان کی تکمیل بھی نہ ہونے پائی تھی کہ آپ کو بعض ناگزیر حالات کی بنا پر تعلیم ترک کرنی پڑی اور اس کے بعد پھر کسی سرکاری مدرسہ میں اس سلسلہ کو جاری رکھنے کا موقعہ نہ ملا البتہ اس کے بعد سے آپ علامہ شمسی مرحوم کی خدمت میں حاضر رہے جن سے عربی اور فارسی کے

متداول علوم کی تحصیل کی تفسیر، حدیث، فقہ اور ادب کی معیاری کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ اسی زمانے میں آپ میں مطالعہ کتب کا شوق جنون کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ روزانہ ڈھائی سو صفحات کا مطالعہ معمول ہو گیا تھا۔ ہر مہینہ گھر کے کتب خانہ میں سیوں نئی کتابوں کا اضافہ ضروری سمجھا جاتا تھا۔ چودہ سال کی عمر سے اب تک یہ سلسلہ برابر جاری ہے اور آپ کا کتب خانہ عربی۔ فارسی۔ اردو۔ اور انگریزی کی بلند پایہ کتب کا خزانہ ہے۔

ملّت کیلئے سب سے پہلی خدمت

ابھی نواب صاحب کمسن ہی تھے کہ ۲۷ مارچ ۱۹۱۲ء کو فرانس نے اعلانِ جنگ پر دستخط کر دیئے اور تمام یورپ چشم زدن میں شعلہ زار ہو کر بھڑک اٹھا اور ایسی جب جنگ برپا ہوئی جس کی تباہ کاریوں سے دنیا کا بچہ بچہ واقف ہے۔ مقابلہ میں جرمنی نے اپنی فوجوں کو کوچ کا حکم دیا اور ساتھ ہی ساتھ وہ بے چین مرد مجاہد غازی انور جرمنی کا حلیف بن کر اس دہکتی ہوئی آگ میں کود پڑا۔ سمرنا اور طرابلس کے معرکے اور خونیں مناظر آج بھی ہمیں یاد ہیں اسی زمانے میں جب کہ سمرنا برباد ہو گیا تو مظلوم سمرنا کے لئے سارے ہندوستان میں سمرنا فنڈ کے نام سے امدادی چندہ فراہم کیا جانے لگا تو حیدرآباد بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا بلکہ اس خصوص میں حیدرآباد ہمیشہ پیش پیش رہا ہے اس وقت جب کہ ایک طرف حکیم مقصود علی خاں صاحب اپنی تقاریر سے مظلومین سمرنا کے لئے چندہ فراہم کر رہے تھے تو دوسری طرف کم عمر بچوں میں بھی لوگوں نے دیکھا تھا کہ نصیب یاور جنگ کا نورِ نظر مدرسہ عالیہ کا متعلم جس کے لئے ہمیشہ پھولوں کی سیج بچھی رہتی ہے اور جس کی نگرانی پر درجنوں ملازم مامور رہا کرتے تھے آج مظلومین سمرنا کی خاطر اپنے

ترک بھائیوں کی خاطر اپنے دو کم سن ساتھیوں کے ہمراہ جن میں ایک مدنی نواب مرحوم اور دوسرے مولوی عبداللہ المدنی گلے میں جھولیاں ڈالے چندہ مانگ رہے تھے۔ یہ کون تھا؟ یہ وہی بہادر خاں تھا جن کو ہم آج قائد ملت کے نام سے پکار رہے ہیں۔ یہ کیا چیز ہے جو امیری اور دولت مندی میں بھی تڑپ پیدا کر سکتی ہے عیش و عشرت میں بھی بے چینی پیدا کر سکتی ہے۔ عرب سے لے کر عجم تک اور مشرق سے مغرب تک وقت واحد میں حرکت اور تڑپ پیدا کر سکتی ہے یہ اسی ندا کی بدولت ہے جو آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل عرب کے باشی کالی کملی کے پہننے والے بی بی عائشہ کے گھر میں رات رات بھر کھڑے ہو کر خدا کا ذکر کرنے والے، بدر و حنین کے میدانوں میں فوجوں کی قیادت کرنے والے، حدیبیہ میں صلحنامہ مرتب کرنے والے، عرفات کے میدان میں ہزاروں جان نثاروں کے جھرمٹ میں خطبہ دینے والے جناب محمد رسول اللہ صلعم نے سنائی تھی کہ۔ کُلُّ مُسْلِمٍ اِخْوَۃٌ

(تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں)

یقیناً یہی چیز ہے جس سے اگر حبش کے مسلمانوں پر ظلم کیا گیا تو تمام روئے زمین کے مسلمانوں میں تڑپ اور بے چینی ہوتی ہے۔ مراکش اور فلسطین پر مظالم ہوں تو تمام اسلامی دنیا میں ایک ہل چل مچ جاتی ہے۔ اور وہ اپنے مسلم بھائی کے لئے سر اور تن کی بازی لگانے سے نہیں ڈرتے یقیناً یہی چیز تھی جس نے نواب صاحب کو اس قدر کم عمری میں بھی اپنے مظلوم ترک بھائیوں کی اعانت کے لئے مجبور ہی نہیں کیا بلکہ ان کے گلے میں جھولی تک ڈلوادی تھی غرض کہ نواب صاحب کئی ہزار روپیہ چندہ کر کے سمرنا فنڈ میں دیتے رہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے قلب و دماغ پر بھی

غیر معمولی اثرات قبول کرتے رہے ہیں سے نواب صاحب کی زندگی میں ملک اور قوم کی شیرازہ بندی کے جذبات پیدا ہوئے گو بظاہر دارالعلوم سے عبر تک بھی کا میاب نہ کر سکے لیکن مولوی سعد اللہ خاں صاحب اور علامہ سید اشرف شمسی پروفیسر جامعہ عثمانیہ و مولانا حسام الدین صاحب فاضل کی فیض بخش نگاہیں نواب صاحب کے دل کی گہرائیوں میں علوم مشرقیہ کے خزانے بھر چکی تھیں۔ یوں بھی یہ علما فیس یا نام و نمود کی لالچ سے پڑھانا کرتے تھے بلکہ ان کو درس و تدریس سے عشق تھا اور وہ عام طالب علموں پر بھی اپنی پوری توجہ اور محنت و مشقت صرف کر دیتے تھے لیکن جب بہادر خاں کو ان کی غیر معمولی ذہانت اور علمی استعداد کی بنا پر ان علماء نے بطور شاگردِ خاص منتخب کیا تھا تو پھر ان پر اوروں سے زیادہ وقت صرف کرتے تھے۔ عربی۔ فارسی اور ہر وہ علم جو السنہ مشرقیہ کے خزائن میں محفوظ ہے اس کی ایسی تعلیم دی کہ شاگرد اُستاد کے دارالعلوم سے رخصت ہوتے وقت ایک نادرِ روزگار شخصیت بن چکا تھا۔

والد کی وفات اور ذمہ داریاں

نواب صاحب کی عمر ابھی ۱۸ سال کی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ آپ کے والد نواب نصیب یاور جنگ ثالث نے قلب کی حرکت بند ہو جانے سے ۴۸ سال کی عمر میں انتقال کیا ایسی کم عمری میں والد کا سانحہ ارتحال بجائے خود ایک مصیبت ہے لیکن جاگیر اور جائداد کے وجود نے اس مصیبت میں اور اضافہ کیا بڑے صاحبزادے ہونے کی وجہ سے ایک طرف سارے گھر کا انتظام کرنا پڑا تو دوسری طرف جاگیر کے پیچیدہ

حالات اولین توجہ کے محتاج ہو گئے۔ جاگیر اور ساری جائداد ۴½ لاکھ روپیہ کے قرضہ کی وجہ سے زیر بار تھی ان حالات نے اس دولت مند خاندان کے وارث کو انتہائی مالی پریشانیوں میں مبتلا کر دیا۔ بہرحال کم و بیش ۸ سال کی لگاتار کوشش اور مسلسل جد و جہد کے بعد خداداد حسن قابلیت اور حکمت عملی سے تمام حالات پر قابو پالیا اور جاگیری معاملات سے مطمئن ہو کر نواب صاحب نے معاشرتی امور میں حصّہ لینا شروع کیا ۱۹۲۹ء میں مجلس جاگیرداران کے معتمد منتخب ہوئے اس مجلس میں بھی آپ نے بہت ساری اصلاحیں کر کے اس طبقہ میں بھی بیداری پیدا کر دی اس کارکردگی کے متعلق حیدرآباد کے مشہور جاگیردار مولوی اکبر علی خاں صاحب بیرسٹر اپنے تاثرات میں یوں ارقام فرماتے ہیں کہ۔ جو حضرات مجلس جاگیرداروں کی کارکردگی سے واقف ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ نواب فرخندہ نواز جنگ بہادر معتمد و نواب شرف الدین خاں شریک معتمد مرحوم کے انتقال کے بعد اگر کسی نے مجلس کو دوبارہ زندہ کر کے کھڑا کیا تو اس کا سہرا بڑی حد تک نواب بہادر یار جنگ بہادر کے سر ہے جن کی معتمدی میں مجلس کو حیات تازہ حاصل ہوئی اور میرا یہ خوشگوار تجربہ رہا ہے کہ مجلس جاگیرداران کے معاملہ میں نوابصاحب نے ہمیشہ انتہائی غیر فرقہ وارانہ طریقۂ عمل رکھا اور بلا امتیاز مذہب و ملت ہر جاگیردار کی خدمت اپنا فرض تصوّر کرتے ہوئے خراج تحسین حاصل کیا۔

۱۹۳۰ء میں مجلس وضع قوانین میں بھی مجلس جاگیرداران کے نمائندگی کے لئے بالاتفاق آپ کا انتخاب عمل میں آیا اور چار سال تک آپ نے باحسن الوجوہ نمائندگی کے فرائض انجام دیئے۔ مجلس وضع قوانین میں گو آپ کی خدمات منظر عام پر نہ آسکیں لیکن خداداد قانونی بصیرت اور بے نظیر خطابت کی وجہ سے حکومتی حلقہ میں آپ کی

مقبولیت روز افزوں ہوتی گئی۔

قافلہ سالار حجاج

۱۹۳۱ء میں نواب صاحب حیدر آباد دکن کی جانب سے حاجیوں کے قافلہ سالار مقرر ہو کر بعزم حج بیت اللہ شریف روانہ ہوئے اور اس فریضہ کی تکمیل فرمائی

بلاد اسلامیہ کا سفر

جب نواب صاحب جاگیر کے قرضہ سے سبکدوش ہو گئے اور معاشی حیثیت سے جاگیر کو منظم کر دیا گیا تو آپ کو انقطاع عالم اور بلاد اسلامیہ کے سفر کا خیال ہوا چنانچہ اپنی رفیق حیات کے ساتھ بعد فراغت حج و زیارت سارے بلاد اسلامیہ کا سفر فرمایا جن میں ایران۔ مصر۔ عراق۔ ترکی۔ فلسطین۔ بغداد۔ شام اور افغانستان قابل ذکر ہیں ہر مقام پر آپ کا شایان شان استقبال کیا گیا اور حکومت کے مہمان کی حیثیت سے رکھا گیا۔ دوران سفر میں ہر مقام کے اکابر سے ملاقات فرمائی سیاسی اور معاشرتی مسائل پر عموماً اور عالم اسلام کے اجتماعی امور پر خصوصاً ترکی مصر اور حجاز کے مشاہیر سے بر حاصل گفتگو فرمائی نواب صاحب کی اصابت رائے اور قوت بیان سے ترکی اور مصر کے اکابر نے بہت اچھا اثر قبول کیا وہاں کے ممتاز جرائد نے آپ کی نسبت اداریے قلمبند کئے۔ علمی سیاسی اور معاشرتی مسائل پر آپ کے نقاط نظر کی اشاعت کی گئی سفر سے واپسی کے بعد جب دہلی تشریف لائے تو مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے ابن بطوطہ ہند کے لقب سے اہل دہلی سے آپ کا تعارف کرایا اور وہاں آپ نے

تقریروں کے ذریعہ اپنے تاثرات بیان فرمائے۔ اس کے بعد آپ حیدرآباد تشریف لائے جہاں آپ کی مسلسل ۵ تقاریر ہوئیں جن میں آپ نے سفر کے تمام تاثرات بیان فرمائے وہ تقاریر اس قدر معلومات آفریں تھے کہ کتابی شکل میں بھی طبع کئے گئے اور "دکن نیوز" کے ذریعہ تقسیم عمل میں آئی۔

۱۹۳۴ء میں جب مجلس بلدیہ کا قیام عمل میں آیا تو ابتداءً آپ رکن اور بعد ازاں مجلس کے نائب صدر منتخب ہو گئے اس حیثیت سے بھی عوام کی خدمت کا بہت زیادہ موقع حاصل ہوا اور شہر میں آپ کی قوت عمل کی ان گنت نظریں قائم ہو گئیں اس کے بعد نواب صاحب کی حیثیت عوام میں بڑھتی گئی اور ہر شخص ان کو اپنے ملک اور قوم کا حقیقی رہبر سمجھنے لگا یہی وجہ تھی کہ نواب صاحب کی رائے ہر حیثیت سے تسلیم کی جانے لگی اور تمام مجالس سرکاری اور غیر سرکاری میں موصوف کی شرکت لازمی تصور کی جانے لگی اور ملک کے ہر مکتب خیال میں یکساں اعزاز حاصل ہوا۔

قائدِ ملت اور خطابت

نواب صاحب دورِ حاضر کے ایک نہایت ہی فصیح اور پُر اثر مقرر ہیں جن کی قوتِ اظہار، سیاست دانی اور موجودہ طرز حکومت کے اثرات کی وضاحت بہت دل پذیر اور مشہور ہو گئی ہے آپ کی تقریری تربیت دوسرے طالب علموں کے ساتھ مدرسہ کے بزم مباحثہ میں ہوئی، لیکن چونکہ آپ دوسروں کی نسبت بہت زیادہ تقریری صلاحیتوں کے مالک تھے اس لئے سب پر انھیں سبقت حاصل ہوئی اور تقریری مسابقت میں اول آنے کے صلہ میں طلائی تمغہ حاصل فرمایا۔ نواب صاحب کی

تقریریں انتہا درجہ کے ترقی پسندانہ جذبات ہوتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسا نوجوان تقریر کر رہا ہے جس کے سامنے ایک بلند مقصد ہے جس تک وہ اپنی قوم کو لے جانا چاہتا ہے آپ کی تمام تر امیدیں قوم کے نوجوانوں سے وابستہ ہیں اس لئے ضعیفوں اور سن رسیدہ لوگوں سے کہیں زیادہ نوجوانوں کے لئے فکرمند رہتے ہیں آپ کا ایقان ہے کہ قوم میں انقلاب پیدا کرنے کے لئے نوجوان نسل ہی کی توانائیوں اور جوش و سرفروشی سے کام لیا جا سکتا ہے۔ اس لئے آپ نوجوانوں کو مصروف جدو جہد دیکھنا چاہتے ہیں اور ہر وقت انھیں زہریلے عناصر سے غیر متاثر رکھنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔

نواب صاحب کی تقریروں میں مولانا ابو الکلام آزاد کا زور بیان۔ مولانا محمد علی کا طرز استدلال اور ہندوستان کے مشہور احراری قائد عطا اللہ بخاری کی دلکشی کا امتزاج ہے جن سے ایک انفرادیت پیدا ہو گئی ہے جو بہت لوگوں کے لئے قابل تقلید ہے۔ زبان میں بلا کی سلاست و روانی ہے اپنی موزوں اور موثر آواز سے تقریر میں جان ڈال دیتے ہیں۔ فارسی اور عربی زبان کی چاشنی بھی اثر پذیری میں بڑی حد تک ممد و معاون ہوتی ہے آپ اسلامی تاریخ و فلسفہ منطق اور علم کلام سے بخوبی واقف ہیں۔ اور سیاست جدید کی تحریکات میں کافی دسترس حاصل ہے۔ ان تمام خوبیوں کے علاوہ ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ آپ کا خطاب دل سے ہوتا ہے اور ہر چیز کا فیصلہ دماغی پیچیدگیوں سے غیر متاثر رہ کر کرنا چاہتے ہیں۔

نواب صاحب کی تقریر بہت معلومات آفریں ہوتی ہے اور انداز بیان اس قدر سلجھا ہوا اور دلکش ہوتا ہے کہ سامعین پر بار نہیں گزرتا اور وہ نہایت ہی

شوق اور انہماک سے تقریر سنتے ہیں آپ کی تقریر میں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور معمولی پڑھا لکھا دونوں کے لئے مساوی دلچسپی ہوتی ہے آپ نہ تو کوئی بات ایسی کہتے ہیں جو عام لوگوں کے لئے بعید از فہم ہو اور نہ کسی ایسی چیز کا ہی تذکرہ کرتے ہیں جو اعلیٰ تعلیم یافتہ اور سنجیدہ لوگوں کے نزدیک قابل اعتراض قرار دی جائے نواب صاحب بعض نہایت ہی اعلیٰ صفات کے حامل ہیں جس کے باعث انہیں ملک وملت کی قیادت ورہبری میں غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی ہے ان کی اس کامیابی کا سب سے بڑا راز ان کی بے لوث خدمات میں اور اُن کی شخصیت کی مقناطیسی کشش میں مضمر ہے۔ جو دوسروں کو آپ کا گرویدہ بناتی ہے اور یہ خصوصیت خداداد ہوتی ہے جو بچپن ہی سے نواب صاحب میں پائی جاتی ہے۔

نواب صاحب کی شہرت ان کی بے لوث خدمات اور پیہم سرگرمیوں کا پرتو ہے۔ جو انسان شہرت پسند ہوتا ہے اس سے شہرت کوسوں دُور بھاگتی ہے اور اس کے برخلاف جس کو کام کا شوق ہوتا ہے شہرت اس کے پاؤں چومتی ہے۔ نواب صاحب بہت زیادہ آزاد خیال اور ترقی پسند واقع ہوئے ہیں۔ حلم اور بردباری کا یہ عالم ہے کہ سخت سے سخت تنقید بھی خندہ پیشانی سے سنتے ہیں اور اگر تنقید حقیقت پر مبنی ہو تو اسے قبول کرنے میں انہیں کبھی اعتراض یا عذر نہیں ہوتا وہ ملک اور قوم کے کاموں میں ذاتی اور معاشرتی وابستگیوں کی پروا نہیں کرتے حق تو یہ ہے کہ ان کی دوستی اور مخالفت سب کچھ ملک وملت کی فلاح وبہبود پر منحصر ہے۔

یوں تو بارہا آپ نے نواب صاحب کی تقریر سنی ہو گی لیکن میں یہاں ایک تقریر کا ذکر کروں گا جس کو اپنے تاثرات میں پنجاب کے مایۂ ناز سپوت میاں بشیر احمد

بیرسٹرایٹ لا مدیر ہمایوں لاہور نے لکھا ہے" میری خوش قسمتی بلکہ مسلمانان پنجاب کی خوش قسمتی کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے ستائیسویں سالانہ اجلاس کے موقع پر وہ لاہور میں مارچ ۱۹۴۰ء میں تشریف لائے میں کبھی نہ بھولوں گا ۲۴ مارچ کی وہ شام جب مسلم لیگ کے اجلاس کا خاتمہ نواب صاحب بہادر کی تقریر پر ہوا مجلس استقبالیہ کے سکرٹری ہونے کی حیثیت سے میں ان کے قریب ہی بیٹھا تھا کان ان کی دلکش آواز پر لگے ہوئے تھے آنکھیں ان کے پر جلال چہرے کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھیں دل میں ان کے کلام کا ایک ایک لفظ اتر رہا تھا مجھے ایسا معلوم ہوا گویا آغاز اسلام کے زمانے کی کوئی محبوب ہستی ہمارے سامنے آگئی ہے۔ جس میں قوت کے ساتھ محبت اپنا کام کر رہی ہے اور صرف مجھ پر اتنا اثر نہیں ہوا کہ بلکہ اس ہزارہا اشخاص کے مجمع میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو اس حیرت انگیز مقرر کی تقریر کو دل کے کانوں سے بغور نہ سن رہا ہو۔ پنڈال میں خاموشی طاری تھی سارے اسلامی ہندوستان کے نمائندے ایک پر خلوص پر جوش بلند خیال بلند قامت مسلمان کے سامنے زانوئے ادب تہ کئے ہوئے بیٹھے تھے۔ اسلام کی اک تصویر آنکھوں میں پھر گئی جی چاہتا تھا کہ وہ گھنٹوں تقریر کئے جائیں اور ہم گھنٹوں سنے جائیں جیسے خیالات بلند اور پاکیزہ ویسے ہی الفاظ پرشکوہ دموزوں تعریف کیسے ہو سکتی ہے۔ اس دلآویز تقریر کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے اختتامی تقریر میں ارشاد فرمایا" نواب بہادر یار جنگ بہادر کی تقریر کے بعد کسی اور شخص کا بولنا غلطی ہے۔ جس شان خطابت کی یہ انتہا ہے اس کی داستان آغاز بھی سن لیجئے۔

بچپن ہی سے نواب صاحب کو فن تقریر سے بڑی دلچسپی تھی تقریر کی جانب

طبعی رجحان کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت مل سکتا ہے کہ مقررین سے آپ گہرے تعلق خاطر کا اظہار کرتے اور ان کو رشک کی نگاہوں سے دیکھا کرتے پندرہ سال کی عمر سے تقریر کی مشق شروع کی اور بہت ہی قلیل عرصہ میں اس جوہر خداداد کی نشو و نما ہوئی اور رفتہ رفتہ میدان نمو کی جستجو ہونے لگی۔ آج سے پندرہ سال قبل حیدرآباد اور سکندرآباد میں میلاد النبیؐ کے جلسے ربیع الاول اور ربیع الثانی میں نہایت ہی اعلیٰ اور شاندار پیمانے پر منائے جاتے تھے جن میں ہزاروں کی تعداد میں فرزندانِ توحید شرکت کی سعادت حاصل کرتے تھے مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی و حکیم مولانا مقصود علیخاں صاحب اس زمانے میں اپنے علم و فضل کے ساتھ ممتاز خطیب و مقرر شمار کئے جاتے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلی دفعہ بمقام لال دروازہ میلاد النبی کے ایک بہت بڑے جلسہ کو مخاطب فرمایا اسی پہلی تقریر کے متعلق مولوی عبدالرحمن سعید صدیقی بی۔اے مصنف لسان الامت اس طرح تحریر فرماتے ہیں کہ ان سطور کا راقم ایک نامور اسکول کا گمنام طالب علم کی حیثیت سے جلسہ میں شریک تھا نواب اکبر یار جنگ کی تقریر کے بعد محمد بہادر خاں نام کے ایک بلند و بالا۔ سرخ و سفید، قوی، تنومند، خوش رو۔ خوش لباس نوجوان تختِ خطابت پر ایستادہ ہو کر آیہ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ کی توضیح و تفسیر میں گل افشانی فرمانے لگے۔ اندازِ بیان، الفاظ کا در و بست، ترکیب اور بندش کی چستی معانی اور مطالب کی فراوانی صاف پتہ دے رہی تھی کہ کوئی صاحب علم کہنہ مشق مقرر حاضرین کو قرآن کا درس دے رہا ہے یہ پہلی تقریر نواب صاحب کی اعجاز بیانی کا اشتہار تھی پھر کیا تھا نواب صاحب کا ہاتھوں ہاتھ استقبال کیا گیا دو اور تین ہی نہیں بلکہ ہر جلسہ میں آپ کی تقریریں ہونے لگیں ہر نقش ثانی نقش اول سے بہتر ثابت ہوتا گیا اور

۲۸ ذی الحجہ سنہ ۵۸ ھ

مشورہ خانگی

بہادر یار جنگ

امید ہیکہ تمہارا مزاج روبصحت ہوگا دوسری طرف تمہارے وجود کی تمہاری قوم وملت کو ضرورت ہے اور خصوص اس دور انقلاب میں .

لہذا علاج معالجہ کی طرف توجہ کرو

۲ قسم کی دوا۔ خمیرہ گاوزبان عنبری مفرح اعظم معتدل بھجوا رہا ہوں نمبر (۱) صبح میں استعمال ہو انداز آسہ (۳) ماشہ همراہ دودھ اور نمبر ۲ وقت مغرب اسی طرح سے ۷ بجے ممکن ہیکہ فائدہ کریگی کریہ میری آزمودہ ادویہ ہین جنکا میں دلدادہ ہوں

زبانِ خلق نے آپ کو "لسان الامت" کے نام سے یاد کیا نہ معلوم کس زبانِ فیض نے پہلی دفعہ یہ خطاب عطا کیا تھا کہ اس کی معنویت صدفی صد پوری ہوئی اور نواب صاحب ہی کی زبان آج ملتِ اسلامیہ دکن کی طرف سے بول رہی ہے اور ان کا ہر بول دکن کے لاکھوں مسلمانوں کی ترجمانی کر رہا ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اس کے بعد نواب صاحب کی تقریر کے صوری و معنوی محاسن نے عوام کے دلوں کو مسحور کر لیا تھا اب جو بھی جلسہ ہوتا نواب صاحب اس میں برابر شریک ہوتے اسی زمانے میں دکتر لی پلے گراونڈ میں میلاد النبی کا عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا کرتا تھا۔ بیرون دکن کے ممتاز علماء ہر سال خصوصیت کے ساتھ مدعو کئے جاتے تھے اور اعلیحضرت بندگانِ عالی بھی بہ نفس نفیس اس جلسہ میں شرکت فرماتے۔

بہادر یار جنگ کا خطاب

ایک سال اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی کی موجودگی میں نواب صاحب نے حیاتِ اکرم کی جامعیت پر بصیرت افروز اور ایمان آفریں تقریر فرمائی جس کے ہر جملہ پر حاضرین سر دھن رہے تھے اہلِ دل اور صاحبانِ ذوق پر سکتہ طاری تھا اور خود اعلیٰ حضرت تقریر سے برابر متاثر ہو رہے تھے اس اثر آفریں تقریر کے صلہ میں دوسرے ہی دن بارگاہِ خسروی سے بہادر یار جنگ کا خطاب سرفراز ہوا جو آپ کی بے نظیر خطابت کی سندِ امتیاز اور مہرِ تصدیق ہے۔

اس کے بعد جوں جوں مقبولیت بڑھتی گئی آپ کو علمی مجالس میں بھی تقاریر کرنے کا موقع ملا چنانچہ ایجوکیشنل کانفرنس کے منتخب مجمع میں جو زیادہ تر اہل علم و ادب پر مشتمل ہوا کرتا ہے آپ نے آٹھ سال قبل جو بلیغ تقریر فرمائی تھی اس کی یاد اب تک اہل ذوق کے حافظہ میں محفوظ ہے اس تقریر نے آپ کو ملک کا ہمہ گیر مقرر ثابت کر دیا۔ اس زمانے میں برطانیہ ہند کی مرکزی مجلس مقننہ میں سارد ابل پیش ہوا۔ مسلم حلقوں میں عموماً اور سناتنی ہندو حلقوں میں خصوصاً اس بل کے خلاف احتجاج شروع ہوا۔ حیدرآباد میں بھی اس کے موافق اور مخالف جلسے ہوئے۔ چنانچہ ہندو مسلمانوں کا متحدہ اور نمایندہ جلسہ نواب میر فیاض علی خاں کی کوٹھی میں منعقد ہوا جس میں نواب صاحب نے سارد ابل کی مخالفت میں معرکۃ الآرا تقریر فرمائی چونکہ یہ اپنی نوعیت کی پہلی تقریر تھی جو ہندو اور مسلمانوں کے عام مسلک کی حمایت میں کی گئی تھی اس لئے دونوں قوموں کے افراد میں نواب صاحب کی مقبولیت ملک کے محفوظ اور غیر متاثر ماحول میں روز افزوں ہوتی رہی اور آپ کا وقار قائم ہو گیا۔

بلاد اسلامیہ کے سفر کے بعد نواب صاحب کی بصیرت اور معلومات کے حدود وسیع تر ہو گئے اور عالم اسلام کا مستقبل خصوصیت کے ساتھ آپ کے فکر و تدبر کا نقطہ منتہی بن گیا۔ اسرار زمانہ سے مسلمانانِ دکن کی غیر شعوری اور ان کی عدم تنظیم سے آپ نے دکھ محسوس کیا برادرانِ ملت کی زندگی اپنی مخصوص ڈگر پر گزر رہی تھی نوجوان طبقہ میں جامعہ عثمانیہ کے قیام کے بعد سے علم کی روشنی پھیل رہی تھی لیکن علم کے فراغت کے بعد ان کا مطمح نظر اور نصب العین حکومت کی ذمہ دارانہ خدمات اور ان کے ذریعہ تحصیل جاہ و دولت کے سوا کچھ نہ تھا۔ اہل ثروت اپنے آبا و اجداد کی میراث سے لطف اندوزی میں مصروف تھے متوسط طبقہ کو کشمکش حیات سے فرصت نہ تھی۔ نام نہاد

اہل دیں ہمہ تن فروغ تجارت کی جانب مائل تھے محتاط صاحبان بصیرت کا دعوائے ان کی صدائے تذکیر چند نفوس کے حلقہ تک محدود تھی حکومت کے حلقہ بگوش اپنی ذاتی اغراض کے سواء ملک و ملت کے مفاد کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ ملک کا عام ماحول جمود و غفلت کا آئینہ دار تھا۔ اس جمود کو توڑنے میں نواب صاحب نے ابتدائً اپنی خطابت کو استعمال کیا اور عرصہ دراز تک مسلمانان دکن میں بیداری پیدا کی بہت ممکن تھا اس مقبولیت کے نام پر جو ملک کے ہر طبقہ میں قائم ہو چکی تھی نواب صاحب حکومت کا بڑے سے بڑا انعام حاصل فرماتے لیکن فضائے بسیط میں پرواز کرنے والے شاہین کو کنج قفس کی پابندیاں مرغوب نہ تھیں آپ کی عالی ظرفی نے گوارا نہ کیا کہ ہمت مردانہ جسکے دست جنوں" میں جبرئیل" بھی صید زبوں" ہے کسی ایسے رزق کے حصول میں ضائع کر دی جائے جس سے پرواز میں کوتاہی آنے لگے۔ قدرت نے جس مرد دلیر کو مجاہدانہ طاقتیں عطا کر کے طوفانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے پیدا کیا ہو۔ ناممکن تھا کہ راہ حق کے سوا وہ کسی مقصد غیر میں استعمال ہو سکتیں۔ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی — جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

دین اسلام کی تبلیغ

نواب صاحب نے ۱۹۲۷ء میں ایک مجلس انجمن تبلیغ اسلام کو تشکیل دے کر اس مجلس کے نائب معتمد کی حیثیت سے اضلاع مرہٹواڑہ و تلنگانہ کا دورہ کر کے مسلسل تین سال تک تبلیغ کا کام انجام دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس مدت میں تقریباً (۱۲۰۰۰) غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ سب سے اول تلنگانہ کے اضلاع ورنگل اور نلگنڈہ

میں تبلیغ کی ابتداء کی گئی۔ اس کے بعد نلگنڈہ کے تعلقات دیورکنڈہ، سریاپیٹھ۔ حضورنگر میں تبلیغ کا کام کیا گیا۔ مرہٹواڑہ کے اضلاع اورنگ آباد کے تعلقہ بھوکردن، جالنہ، اور عنبر میں اور ضلع بیڑ کے تعلقہ پاٹودہ اور گیوراٹی میں تبلیغ کی گئی۔ جہاں بڑی کامیابی ہوئی "لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ" کے اصول کے مطابق غیر مسلموں کے سامنے اسلام کے محاسن پیش کئے گئے جن کی نیت اغراض سے پاک تھی اور بطیب خاطر تبدیل مذہب پر آمادہ تھے صرف ان ہی کو مشرف بہ اسلام کیا گیا۔ کلیانی ضلع گلبرگہ، اور سدی پیٹ، ضلع میدک اور قصبہ جڑچرلہ ضلع محبوب نگر میں بھی ایک ایک مبلغ مقرر کیا گیا تھا جو تبلیغی کام انجام دیا کرتے تھے۔

تبلیغ کے ذریعہ تبدیل مذہب اس قدر مشکل نہیں جتنا کہ نومسلمین کو فتنۂ ارتداد سے محفوظ رکھنے کا مسئلہ مشکل ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ مخالف قوتیں منظم سازشوں کے ساتھ مقابلہ پر آمادہ ہوں نواب صاحب نے ان گنت مخالف حالات کے باوجود نومسلمین کے تالیف قلوب، ان کے لئے قیام مدارس، تیاری لباس، و ذرائع معیشت کی فراہمی، مبلغین اور مدرسین کے تقرر اور دوسری ممکنہ سہولتیں بہم پہونچائیں جن کا معائنہ کرکے کل ہند جمعیۃ تبلیغ کے معتمد عمومی مولانا غلام بھیک صاحب نیرنگ نے نظام تبلیغ کی باقاعدگی پر اظہار رشک فرمایا۔

اسی طرح تبلیغ کا کام نہایت پُرامن طریقوں پر چند در چند قانون میں رہ کر کئے جارہے ہیں جیسی کہ مذہب عیسائیت کی تبلیغ برسوں سے ہندوستان میں جاری ہے۔ چند فتنہ انگیز ہندو اخبارات نے غلط پروپگنڈہ کرکے مبلغین کی شکایات پولیس کے اعلیٰ عہدہ داروں تک پہونچائیں نتیجہ کے طور پر پولیس نے اس معاملہ میں دست اندازی

شروع کی اور اپنی رپورٹ میں اضلاع اور تعلقات کے شدھی اور تبلیغی کام کو فرقہ دارانہ کشیدگی کا باعث قرار دیا۔ جس کی بناء پر نواب صاحب نے ایک مفصل خط مسٹر ایس۔ ٹی ہالنس صدر ناظم کوتوالی کے نام تحریر کیا۔ اور ان تمام شکوک کو رفع کرادیا جو پولیس کو تبلیغی انجمنوں کے متعلق پیدا ہوئے تھے۔

نواب صاحب کا خط بنام مسٹر ہالنس ناظم کوتوالی

مسٹر ہالنس نے اپنی رپورٹ کوتوالی اضلاع میں شدھی اور تبلیغی کام کو فرقہ دارانہ کشیدگی کی بڑی وجہ قرار دیا تھا۔ مسٹر ہالنس کی اس رائے سے نواب صاحب کو اختلاف ہے۔ اور اس لئے موصوف نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے ایک خط حسب ذیل لکھا تھا۔

کوتوالی اضلاع سرکار عالی کی رپورٹ نظم و نسق بابتہ ۱۳۴۶ف کے مطالعہ کا موقعہ ملا۔ نیز مقامی اخبارات میں بھی اس کے اقتباسات شائع کئے۔ اس وقت آپ کو مخاطب کرنے سے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوتوالی کی عام رپورٹ پر تنقید کروں۔ میں صرف فقرہ ۵ کی دوسری سطر کی طرف آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ جس میں فرقہ وارانہ کشیدگی کی بڑی وجہ آپ نے تحریک شدھی کے ساتھ ساتھ تبلیغ کو قرار دیا ہے۔ چونکہ ۱۳۴۶ف میں منظم تبلیغی مساعی صدر مجلس اسلام کی طرف سے ہوتی رہی ہے۔ اس لئے عام طور پر آپ کی اس تنقید سے وہی تبلیغی کوشش مراد لی جارہی ہے مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ فرقہ وارانہ کشیدگی کو تبلیغ کی طرف منسوب کرنا کسی طرح

درست نہیں ہے۔ صدر مجلس تبلیغ اسلام کی جانب سے تبلیغ صرف چار اضلاع میں ہوئی ہے۔ تلنگانہ کے اضلاع ورنگل اور نلگنڈہ میں نلگنڈہ کے تعلقات دیورکنڈہ نریاپیٹ وحضور نگر میں اور ورنگل کے تعلقات پاکھال اور محبوب آباد اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اور مرہٹواڑہ میں اضلاع اورنگ آباد کے تعلقات بھوکردن، جالنہ اور عنبڑ میں اور ضلع بیڑ کے تعلقہ پاٹودہ اور گیورائی میں تبلیغ کی گئی۔ جاگیر کلیانی ضلع گلبرگہ تعلقہ سدی پیٹھ ضلع میدک اور قصبہ جڑچرلہ ضلع محبوب نگر میں چند روز کے لئے ایک ایک مبلغ مقرر کیا گیا تھا۔ جو جلد موقوف کروادیا گیا۔ ان کے سوا ہرگز ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ کسی اور مقام پر صدر مجلس تبلیغ اسلام کی طرف سے تبلیغ ہوئی جہاں تک آپ کی رپورٹ شہادت دے رہی ہے اور مجھے واقعات کا علم ہے ۱۳۴۶ف میں مقامات مذکور الصدر پر کہیں کوئی فرقہ وارانہ فساد وقوع پذیر نہیں ہوا۔ ہوبلہ بعد لقد بگڑ دھارور۔ نرگنڈہ اور عثمان آباد کے جن علاقوں میں رپورٹ زیر نظر سے فرقہ وارانہ فساد کا وقوع ظاہر ہو رہا ہے ان میں سے ایک مقام بھی ایسا نہیں ہے۔ جہاں کہیں تبلیغ کی گئی ہے۔ یہ امر انتہائی حیرت کا موجب ہے کہ عین وہ مقامات جہاں تبلیغ ہو رہی ہے۔ فرقہ وارانہ کشیدگی سے محفوظ ہیں۔ اور جن مقامات پر فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا ہوئی۔ ان کو تبلیغ سے دور کا بھی واسطہ یا تعلق نہ ہو۔ اور اس کے باوجود تبلیغ کو فرقہ وارانہ کشیدگی کا باعث قرار دیا جائے۔ میں متوقع ہوں کہ آئندہ اس کی اصلاح فرما دی جائے گی تاکہ پبلک کو غلط فہمی نہ ہو۔ افترا پرداز کو اپنی فتنہ پردازیوں کے لئے۔ ایک اور موقع ملے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ اسی طرح مذہب اسلام کی تبلیغ نہایت باقاعدہ پُرامن طریقوں پر حدود قانون کے اندر رہ کر کی جا رہی ہیں۔ جس طرح مذہب عیسائیت کی تبلیغ

برسوں سے جاری ہے۔ مقامی ہندو باشندوں نے کبھی اظہارِ رنج و غضب تو کجا گلہ تک نہیں کیا۔ البتہ کئی مہینے بعد بعض .... پرچارکوں نے ان دیہاتوں میں جاکر لوگوں کو بھڑکانے کی کوشش کی لیکن تبلیغی کارکنوں کے انتہائی ضبط اور نظم نے کوئی ناگوار صورت پیدا نہ ہونے دی۔ فقط

آپ کا مخلص

بہادر یار جنگ

اس کے بعد نواب صاحب نے انجمن تبلیغ اسلام کی جانب سے کئی تقاریر کیں اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور تقریباً (۱۲۰۰) ہزار غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کیا۔

آل انڈیا تبلیغ اسلام کانفرنس میں

قائدِ ملّت کا خطبۂ صدارت

آل انڈیا تبلیغ اسلام کانفرنس بمبئی نے اپنے اجلاس چہارم کی صدارت کے لئے جو بتاریخ ۲۱ مئی ۱۹۳۰ء کو منعقد ہوا تھا۔ منتخب کیا۔ چنانچہ نواب صاحب اس دعوت پر بمبئی تشریف لے گئے جہاں آپ کا ہزاروں مسلمانوں نے شاندار استقبال کیا۔ اس موقع پر آپ نے جو خطبۂ صدارت سنایا وہ حسب ذیل ہے:۔

محترم خواتین و معزز حضرات!

جب میں آپ کے مسلسل اصرار پر اپنی متواتر کوتاہیوں پر غور کرتا رہا ہوں تو سخت شرمندگی ہوتی ہے کہ میری وجہ سے کانفرنس کے ارباب حل و عقد کو متعدد تاریخیں بدلنی پڑی ۔ مجھے قطعاً توقع نہ تھی کہ اس مرتبہ آپ کے احکام کی تعمیل کر سکوں گا۔ لیکن آپ کی محبتوں نے بالآخر کھینچ ہی لیا۔ اس اہم کانفرنس کی صدارت کے لئے جس کی کرسی صدارت کو مجھ سے قبل مولانا ظفر علیخاں صاحب جیسے بزرگ عزت دے چکے ہیں، میرا انتخاب ایک ایسی عزت افزائی ہے جس کا شکریہ کسی طرح ادا نہیں کیا جا سکتا۔ میری دلی تمنا ہے کہ میرا یہ خطبہ آپ کی تبلیغی مساعی میں مددگار ثابت ہو۔

اوراس طرح میں بارِ ممنونیت کو گھٹا سکوں۔

عزیزانِ مکرم! یوں تو دنیا میں ہزاروں اور لاکھوں نبی آئے۔ اور سیکڑوں مذہب بنے لیکن یہ امر اب حجت و برہان کا محتاج نہیں رہا ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب تھا۔ اور داعیِ اسلام علیہ افضل التحیۃ والسلام ہی وہ نبی تھے۔ جنھوں نے کائناتِ ارضی کے ہر بسنے والے کو اپنا مخاطب بنایا۔ حضرت ختمی المرتبت سے قبل جتنے انبیاء مبعوث ہوئے۔ وہ یا تو کسی قوم یا قبیلہ کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے یا کسی شہر اور ملک کے بسنے والوں کی۔ تاریخ شاہد ہے اور کتب سماویہ گواہی دے رہے ہیں کہ انھوں نے اپنے فرائض منصبی کی ادائی میں مقررہ حدود سے ایک بربرمو تجاوز نہیں کیا حضرت عیسیٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام جن کے مذہب کو چار دانگ عالم میں پھیلانے کی سعی کی جارہی ہے، انجیل کی شہادت کے بموجب صرف بنی اسرائیل کی بھٹکی ہوئی بھیڑوں کو جمع کرنے کے لئے تشریف فرما ہوئے تھے۔ اور کنعان کی تشنۂ ہدایت بڑھیا کو اُن کے چشمۂ فیض سے بے نیل و مرام لوٹنا پڑا تھا۔ جزیرہ نمائے ھند جو کسی طرح ایک براعظم سے کم نہیں ہے۔ خدا کی ربوبیت کے اُن مظاہر ہدایت سے یقیناً محروم رہا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے ہادی اُن انبیاء کی طرح جو اصحاب مدین اور اصحاب الایکہ کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے۔ آریہ ورت کے حدود سے باہر مجاز تلقین و تعلیم نہ تھے۔ ایک محمد رسول اللہ (صلعم) ہیں اور صرف محمد رسول اللہ (ص)، جو صف انبیاء میں آگے بڑھ کر اسود واحمر کو، عرب وعجم کو، مشرق و مغرب کو بہ یک وقت صلائے عام دیتے نظر آرہے ہیں۔ اور قرآن کی شہادت کے ساتھ صلائے عام دے رہے ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۔ اور کیوں نہ ہوتا کہ جس طرح تمدن اور حیاتِ انسانی عالم طفولیت سے عہد شباب کی طرف بڑھ رہی تھی۔ خدا کا پیغام اور الٰہی قوانین بھی بمقتضائے وقت جہاں جیسی ضرورت ہوئی نازل ہورہے تھے۔ وہی پیغام ساری نوع انسان کے سامنے پیش کئے جانے کا استحقاق رکھتا تھا جو ہر حیثیت سے مکمل اور زندگی کے ہر پہلو کے لئے مکتفی ہو۔ نہ صرف خدا اور بندہ کے رشتۂ ربوبیت و عبدیت کو مضبوط کر رہا ہے۔ نہ صرف توریت اور حقیقت کے مسائل بصحیح طریقہ پر حل کر رہا ہو۔ نہ صرف حُسن اخلاق اور خوش معاملگی کی تعلیم دے رہا ہو۔ نہ صرف دُنیا میں شر و فساد کے مٹانے کے لئے تادیب و تعزیر کے بہترین اصول وضع کر رہا ہو۔ بلکہ تخت سلطنت سے لے کر گلیم فقر تک اور آغوش مادر سے لے کر گوشۂ لحد تک انسان کے جتنے شعبے ہو سکتے ہوں، اُن سب میں رہنمائی کرے۔ اسلام کی یہ جامعیت اور اکملیت ایک مستقل عنوان ہے۔ اور جی چاہتا ہے کہ یہاں سے آگے نہ بڑھئے اور آج کی صحبت کو اُسی کے ذکر جمیل کے لئے وقف کر دیجئے لیکن اعتراض مجلس کا تقاضہ ہے کہ اصل مبحث کی طرف رجوع کروں۔ اس لئے خود بھی صبر کرتا ہوں اور آپ سے بھی امیدوارِ عفو ہوں۔

برادرانِ عزیز! جس قدر اہمیت اور خصوصیت پیغام کو حاصل تھی۔ ضرورت تھی کہ پیغامبر بھی انھیں خصوصیات و امتیازات کا حامل ہو۔ جی چاہتا ہے کہ اُس عظیم الشان انسان کے لمحاتِ حیات سے آپ کی اور اپنی زندگی کا سامان کر دوں۔ آئیے صرف اُن کی حیاتِ طیبہ کے اس پہلو پر غور کریں کہ آپ نے فریضہ کے بلاغ کو جو اُن کا مقصدِ حیات تھا۔ اور صرف جس کے لئے وہ مبعوث کئے گئے تھے۔ اُنھوں نے

کس طرح ادا کیا۔ اور ہمارے لئے اپنی زندگی کا کیا نمونہ چھوڑ گئے۔ وہ محمد (ص)
جو عبداللہ کے یتیم کی حیثیت سے خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے، وہ محمدؐ جن کو
عبدالمطلب کے پوتے اور بعد ابوطالب کے بھتیجے کی حیثیت سے کوئی کڑی نگاہوں
سے نہ دیکھ سکتا تھا۔ وہ محمدؐ جن کے حرب فجار میں تیر چن چن کر نبرد آزماوں کو دینے
کی ادا مکہ والوں کے دل چھین چکی تھی، وہ محمدؐ جن کا تنصیب حجر اسود کا فیصلہ سرکشانِ
قریش کو اسیر کمندِ محبت کر چکا تھا۔ وہ محمدؐ جن کی خوش معاملگی کا ڈنکا بازارِ عکاظ سے
لے کر دمشق کے چوراہے تک بج رہا تھا۔ وہ محمدؐ جن کی صداقت کی قسم کھائی جاتی تھی۔
وہ محمدؐ جن کی امانت میں شبہ کرنا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ جب خدا کے اس آخری پیغام کو
سنانے کے لئے صفا کی چوٹیوں پر چڑھتے ہیں۔ اور آلِ غالب کو آنے والے خطرات سے
جو عذابِ الٰہی کی صورت میں نمودار ہوتے ڈراتے ہیں تو تم نے دیکھا اور تاریخ نے
شہادت دی کہ اُن کے رُوئے انور پر مکہ کی خاک اڑائی گئی اُن کے پائے نازک کی
خارِ مغیلاں سے تواضع کی گئی۔ اُن کی گردنِ اقدس پر اونٹ کی غلاظت بھری
اوجھ رکھی گئی۔ خلیل و ذبیح کا وطن اُن کے پوتے پر تنگ کر دیا گیا۔ اُن کے سر کے لئے
انعام مقرر کئے گئے۔ کیا ان سب باتوں میں چشمِ بینا کے لئے روشنی اور قلبِ فہیم کے لئے
سبق نہیں ہے کہ اِس دنیا میں حق و صداقت کا پیغام پہنچانا طاغوتی طاقتوں کو دعوتِ
پیکار دینا ہے۔ اور شیطان کی ذریات کو آمادۂ جنگ کرنا ہے۔

محمدؐ رسول اللہ (ص) کو سنائے ہوئے حکم فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ
کی تعمیل آمادہ اشاعتِ پیغامِ الٰہی ہو جانے والو! یہ وہ راستہ نہیں ہے جس سے آبلہ پائی
کے بغیر گذر جاؤ۔ یہ وہ لقمہ نہیں ہے جو حلقوم کو زخمی کئے بغیر ہضم ہو جائے۔ یہ وہ منزل نہیں ہے

جو ہفت خواں کو طے کئے بغیر ہاتھ آجائے۔ یہاں ترغیب کی سُنہری زنجیریں ہیں۔ اور ترہیب کی آہنی طاقتیں کبھی مکہ کی ساری دولت ڈھیر کی جا رہی ہے قریش کی ساری ہوشیں جمع کی جا رہی ہیں اور عرب کا تخت آراستہ کیا جا رہا ہے۔ تو کبھی بدر کا بدلہ لینے کی قسمیں کھائی جا رہی ہیں۔ تلواریں صیقل ہو رہی ہیں۔ نیزوں کے پھل گھسے جا رہے ہیں اور تیروں کے پیکان آزمائے جا رہے ہیں۔ یہاں ان آہنی قدموں کی ضرورت ہے اور اُس کو وہ صفت ارادے کی جو شمس و قمر کی تسخیر کو ٹھکرا دے، جو طوفانِ مصائب کے سامنے گردن تانے کھڑا ہو، جو پیشانی میں زرہ کی کڑی چبھونے کے لئے تیار ہو جائے جو دانت کے ٹوٹنے پر مسکرا دے اور جو گھربار لٹا کر شکر کرے۔ عقل انسانی کبھی ایسی تدبیر کو سوچ سکتی اور نہ ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کا ماحول کسی ایسے طریقہ کو پیش کرسکتا۔ جس پر محمد رسول اللہؐ نے عمل نہ کیا ہو۔ الذی و عشیرتک الاقربین کی تعمیل میں سب سے پہلے اپنے عزیزوں کو دعوت دی۔ ان کی وہ "افرڈ نر اپیچ" تاریخ سے انھیں مٹائی جا سکتی جس کے ایک عشائیہ کے بعد نبی ہاشم کو انھوں نے خدا کے سیدھے راستے کی طرف بلایا تھا۔ اور جس کو سن کر ہشت سالہ علیؓ ابن ابی طالب کے سوا باقی سبھوں نے ان کا استہزا کیا تھا حج کو آنے والے قبیلوں کے پڑاؤ پر اُن کا بار بار جانا اور ان کو پیغام حق سُنانا عکاظ کے بازار میں اُن کی تقریریں یہ سب ابتدائے عہد کے کارنامے تھے۔ ابوجہل و ابولہب برابر آواز دیتے رہتے کہ لوگو! یہ دیوانہ ہے اس کی نہ سُنو۔ یہ صابی ہے اس سے مخاطب نہ کرو۔ یہ جادوگر ہے خبردار اس کے فریب میں نہ آو۔ لیکن آنے والے آتے رہے اور فیض پاتے رہتے۔ جب مکہ کی سرزمین آپ پر تنگ کر دی گئی اور کامیابی کی کوئی اُمید نہ رہی تو آپ نے مدینہ کے قبائل

اوس و خزرج سے مکہ کی گھاٹیوں میں وہ معاہدات کیے جو بیعت عقبۂ اولیٰ و عقبۂ ثانیہ کے نام سے سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ یوں تو آپ کی زندگی کا ہر لمحہ تبلیغ و اشاعت پیغامِ الٰہی کے لئے وقف تھا لیکن مدنی زندگی میں اس کے زیادہ مواقع حاصل ہونے لگے، بدر و اُحد کی لڑائی کے بعد آپ نے داعیانِ اسلام کی وہ ٹولیاں اطراف کے قبائل میں روانہ کیں جن کو سیرۃ نگاروں نے "سرایا" کے نام سے یاد کیا ہے خندق کی لڑائی میں کفار کی جمعیت کا انتشار اور ان کی بے نیل و مرام واپسی، اُن منتظر قبائل کے لئے بانگ درا ہی جن کو صرف قریش کے نتیجوں کا انتظار تھا۔ صُلح حدیبیہ جو دنیا کی نگاہوں میں مسلمانوں کی شکست سمجھی جاتی تھی۔ قرآن نے اس کو فتح مبین کا لقب دیا۔ اس زمانہ فرصت میں مبلغ اعظم صلوٰۃ اللہ علیہ نے اطراف عرب میں اپنے دعاۃ بھیجے اور یہی وہ وقت ہے۔ جب کہ قرآن کی مبینہ نصرت آچکی تھی اور دُنیا یَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا کا منظر دیکھ رہی تھی۔ قبائل کے وفود آتے تھے۔ ایک دو نہیں سینکڑوں کی تعداد میں آتے تھے۔ اور اپنے قبیلہ کے ہزاروں نفوس کی طرف سے بیعت کر جاتے تھے نبی اعظم و خاتم (صلعم) نے عرب کے نبٹنے کے بعد عجم کی طرف توجہ کی سلاطین ایران و روم شہنشاہ حبش اور امرائے حیرہ کے یہاں پیغامات روانہ کئے۔

دوستو! کاش میں تمہاری تصوّر کی دنیا میں عرفات کے اس منظر کو زندہ کر سکتا جس میں غار حرا کی پناہ گزیں عبداللہ کا یتیم اور مکہ کا بے سرو سامان مہاجر لاکھوں معتقدین کے گروہ میں اپنے اونٹ کے کجاوہ پر کھڑا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

کی بشارت سُنا رہا تھا جب کہ سطح انسانیت کے نشیب و فراز مٹائے اور لا فضل للعربی علی العجمی ولا للعجمی علی العربی کلکم ابناء ادم وادم من تراب کی زلزلہ انگیز حقیقت بیان کی جا رہی تھی۔

دسویں سال ہجری میں گو آفتاب رسالت ہماری آنکھوں سے چھپ چکا تھا لیکن اُس کی ضیاء برق پاش نے فضائے حقانیت پر سینکڑوں ستارے روشن کر دئے تھے۔ اَصْحَابِی کَالنُّجُومِ بِاَیِّهِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ ۔ ارشاد و ہدایت کا نبوی فریضہ جس کی ابتداء ابوالبشر آدم سے ہوئی تھی سلسلہ نبوت کے ساتھ حضرت ختمی مرتبت (ص) پر ختم نہ ہوگیا۔ بلکہ پرستاران حق پر اس کی ذمہ داری پوری شدت کے ساتھ عائد کر دی گئی۔ ورثۃ الانبیاء سے کہا گیا کہ وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُونَ اِلَى الْخَيْرِ بِاَمْرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (آل عمران) اور ساری اُمتِ محمدیہ سے ربّ قدیر و قیوم نے یوں تخاطب فرمایا کہ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ اور محمدؐ رسول اللہ نے بَلِّغُوْا عَنِّی وَلَوْ اٰيَةً کے ارشاد سے اس میں اور شدت پیدا کر دی۔ اصحاب رسول اللہ (رض) نے ان کے بعد علماءِ اُمت اور اولیاءِ کرام نے اس فریضہ سے کبھی پہلو تہی نہیں کی۔ کائنات ارضی کے گوشہ گوشہ میں مسلمان پھیلے اور جہاں گئے اپنے ساتھ پیغام ربانی کو لیتے گئے۔ اُن کی صورت اُن کی سیرت اور اُن کا کردار ایک مستقل مبلغ ہوتا تھا۔ مشرق میں ملیبار کے ساحل ملایا کے جزائر چین کا آباد ترین ملک جہاں مسلمانوں کی تلوار آج تک کبھی بے نیام

نہیں ہوئی۔ ان کی صدائے اللہ اکبر سے گونج اٹھتے۔ ایران و روم کے جبابرہ نے استیلاء کلمۃ الحق کا جب ارادہ کیا تو مسلمان سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو گئے۔ اپنی ٹھوکروں سے کبھی ایران کے تخت کو اُلٹا۔ اور کبھی روم کے تاج کو روندا۔ صحرائے افریقہ کے وحشتناک مناظر تبلیغ اسلام کی دھن میں ان کے لئے باغ و گلستاں سے کم نہ تھے۔ بحر الکاہل اگر سامنے نہ ہوتا جس کو وہ دنیائے معلومہ کی حد سمجھ رہے تھے تو شائد ارجنٹائن و دیگر ممالک جنوبی و امریکہ میں صدائے حق صدیوں تک پہونچ چکی تھی۔

علماء کی مجالس درس اور صوفیاء کے حلقہ ہائے ذکر مبلغین کی مستقل تربیت گاہیں ہوتی تھی۔ جہاں کے فراغت یافتہ گلیم توکل کاندھوں پر ڈالے اور عصائے توحید ہاتھوں میں لے دنیا کی پنہائیوں میں پھیل جاتے اور صراط مستقیم میں بھٹکے ہوؤں کو پیغام ربانی سناتے انھیں گلیم پوشان تخت نواز میں سے ایک سنجر کی آبادیوں سے چلتا ہے چشت کے میدانوں سے گزرتا ہے۔ خیبر کی وادیوں کو طے کرتا ہے اور سرزمین ہند کی قلب میں جم جاتا ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ وعلیٰ دنیا ھم اس کے فیض صحبت سے تربیت یافتہ اطراف ہند میں گھوم جاتے ہیں۔ دکن کی تاریخ اُن چودہ سو مبلغین کو فراموش نہیں کرسکتی جو نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے مرکز تبلیغ سے نکل کر آٹھویں صدی ہجری میں دکن کی سطح مرتفع پر چھا گئے تھے یہ سلسلۂ تبلیغ کبھی کم اور کبھی زیادہ دُنیا میں اور خصوصاً ہندوستان میں جاری رہا ہندوستان کے نو کروڑ مسلمان ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ سب کے سب باہر سے آئے تھے۔ گو منظم طریقہ آج سے پہلے تبلیغی کام نہ کیا گیا ہو لیکن شاید ہی کوئی مہینہ ایسا گزرا ہوگا

جب کہ دس پانچ قلوبِ حق آشنا نے اپنی بصیرت کا ثبوت نہ دیا ہو سنگھٹن کی تحریک اور شدھی کا فتنہ ایک تازیانہ تھا۔ جو پندرہ، سترہ سال قبل سمندِ تبلیغ پر لگا ——— مسلمانوں کو ایک طرف یہ فکر ہوئی کہ اپنے آپ کو سنبھالے اور اپنے بھائیوں کو فتنۂ ارتداد سے بچائیں۔ تو دوسری طرف ان کو اپنے بھولے ہوئے فریضہ کا خیال آگیا۔ اس موقع پر ہم اپنے محترم بزرگ مولانا غلام بھیک صاحب نیرنگ معتمد انجمن تبلیغ اسلام انبالہ کو کسی طرح فراموش نہیں کر سکتے جنھوں اپنے آپ کو تقریباً تبلیغ اسلام کے لئے وقف کر دیا ہے مسلمانوں کی خود فراموشیاں بیسویں صدی عیسوی کے ربع اوّل میں جس طرح ان کو دوسرے فرائض اسلامی سے دور کرا رہی تھیں اسی طرح اس اہم فریضہ کو بھی اُن سے اوجھل کر دیا تھا لیکن قدرت جو اسلام کی انتہائی دشمنوں میں سے عُمر (رض) اور خالد ابن ولید (رض) کو پیدا کرتی رہی ہے۔ غافل نہیں تھی۔ ہندوستان کے اچھوتوں کے لیڈر ڈاکٹر امبیڈکر کی اس صدا نے کہ ہندو مذہب میں رہتے ہوئے جس پر منوشاستر اور رگ وید کی تفریق انسانیت کرنے والی تعلیمات مسلط ہیں کبھی دنیا میں سر بلندی اور آخرت میں نجات نہیں پا سکتے۔ ایک طرف ان کی قوم میں اپنی موجودہ حالت پر غور اور آئندہ کی فکر کے احساس کو زندہ کیا تو دوسری طرف ہر اس مذہب کے ذمہ دار اصحاب کو چونکا یا جو اپنی اشاعت اور تبلیغ چاہتے تھے مسلمانوں کا ایک پوری قوم کو اس طرح متلاشئ حق دیکھ کر بے چین ہو جانا جب کہ خود ان کا دامن اچھوتوں کے گل مقصود سے بھرا ہوا ہو، فطری امر تھا وہ چونکے اور انھوں نے مختلف مقامات پر اپنے تبلیغی نظامات قائم کئے۔ بحمد اللہ ان کی تبلیغ بار آور ہوئی اور گزشتہ دو سال

کی قلیل مدت میں اسلام کی برادری میں نئے داخل شدہ بھائیوں کا معتدبہ اضافہ ہوا انہی تبلیغی اداروں میں سے ایک حیدرآباد کی صدر مجلس تبلیغ اسلام ہے اور دوسری انجمن تبلیغ اسلام بمبئی جس کو اب آپ انجمن تبلیغ اسلام صوبۂ بمبئی بنانے کی فکر کر رہی ہیں۔ مجھے اس وقت ان اداروں کی تاریخ بیان کرنی ہے۔ نہ ان کی کارگزاریوں کی رپورٹ سنانی بلکہ میں چاہتا ہوں کہ ان تجربوں کو آپ کے سامنے رکھوں جو گزشتہ دو سالہ تبلیغ کے سلسلہ میں حاصل ہوئے۔

فریضۂ اشاعت اسلام کی ادائی کا ارادہ کرنے والو! تمہارے سامنے اس وقت دو طبقے ہیں۔ جن پر تم اسلام کو پیش کر سکتے ہو۔ ایک تعلیم یافتہ اور روشن خیال طبقہ۔ دوسرا جاہل، بے علم، نادان اور دنیا کا ٹھکرایا ہوا گروہ جس کے لئے معاشرہ میں کوئی مقام نہیں ہے۔ پہلی جماعت کے لئے ایسے مبلغین درکار ہیں جو اصول فروع دین کے ماہر ہوں، مناظرہ کا فن جانتے ہوں۔ ان لوگوں سے ملیں ان کی خدمت میں اسلام کا لٹریچر پیش کریں اور بالحکمۃ والموعظۃ حسنۃ ان کو صراط مستقیم کی طرف لانے کی کوشش کریں اگر علم ناقص ازدیاد تشکک کا باعث ہوتا ہے تو مجھے کہنے دیجئے کہ جن کو آپ پڑھا لکھا اور روشن خیال سمجھ رہے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ انہیں ناقص العلم تاریک خیالوں نے انبیاء کی سب سے زیادہ مخالفت کی۔ خدا کی کتابوں کو سب سے زیادہ جھٹلایا اور محض اپنی بڑائی کو قائم رکھنے کے لئے حق سے گریز کیا۔ اور باطل پر جمے رہے۔ جن کو ہم نادان اور جاہل سمجھتے ہیں۔ جن کو ہم ٹھکراتے اور اپنے سے دور کرتے ہیں۔ ان کے دلوں کو مصائب کی بہتات نرم کر دیتی ہے۔ ان میں احساس پستی بیدار ہو جاتا ہے۔ اور تمنائے نجات بڑھ جاتی ہے اور یہی چیز قبول حق کا سب سے بڑا سبب بن جاتی ہے۔ کیا ہرقل کا وہ سوال

یاد نہیں ہے جو انہوں نے مکتوب نبوی کے پہنچنے پر ابو سفیان سے کیا تھا۔ کہ اسی نبی کے ماننے والے امیر ہیں یا غریب اور یہ سن کر کہ زیادہ تر غریب ہیں تصدیق کی تھی کہ ہمیشہ انبیاءؑ کو سب سے پہلے غریبوں نے قبول کیا ہے قطع نظر اس کے کیا ایک آنکھوں اور ذی فہم سے زیادہ تم پر ایک اندھے جاہل کا حق نہیں ہے کہ تم اس کو راستہ سمجھاؤ۔ آنکھوں والے کی گمراہی کا وبال خود اس پر پڑے گا لیکن اندھے کی بے راہ روی کے متعلق تم سے سوال کیا جائے گا۔

مسلمانو! ہندوستان کے سات کروڑ اچھوت جن کو خود ان کے بھائیوں نے ہزار ہا سال سے جانور سے زیادہ بدتر زندگی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ آج تمھاری طرف اُمید بھری نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ کیا تمھارا فریضہ نہیں ہے کہ اٹھو اور ان کو اپنے سینوں سے لگا لو۔ میں جانتا ہوں کہ تمھارے سامنے مشکلات کی دیواریں حائل ہیں۔ دشواریوں کے طوفان اُٹھ رہے ہیں لیکن کیا میں یہ یقین کر لوں کہ بلاؤں کو دیکھ کر مسکرانے والا مسلمان فتنوں کے تصور سے کانپ جائے گا؟

اچھوت قوم کا ذکر آچکا ہے۔ اس لئے آیئے ان کی گزشتہ تاریخ اور موجودہ حالت پر ایک سرسری نظر ڈالیں۔ یہ امر مسلّم ہے کہ ہندوستان میں کبھی ایک قوم آباد نہیں رہی ہے کبھی سمندر کی طرف سے اور کبھی شمالی سرحدوں سے دوسری قوموں کی آمد کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ ہر آنے والی قوم نے اس قوم کو جو پہلے سے آباد تھی۔ مغلوب کیا۔ اور ان ذرخیز علاقوں پر قبضہ کی کوشش کی جن سے متمتع اُن کے داخلہ کا اصلی منشا تھا۔ سب سے زیادہ ہوشیار اور عاقبت اندیش فاتح وہ آریائی قومیں تھیں جنھوں نے نہ صرف ہندوستان پر قبضہ کیا۔ بلکہ اپنے قوانین اور مذہبی معتقدات

کے ذریعہ ایسے مستقل انتظامات کئے کہ اُن کے قدم وہاں سے کبھی نہ ہٹنے پائیں۔ اور قدیم قومیں کبھی اُبھرنے کا نام بھی نہ لے سکیں، قوموں کو اُبھارنے والی طاقتیں ہمیشہ سے دولت، علم، عزتِ نفس کا خیال اور خودداری کے جذبات رہے ہیں۔ نہ صرف ہندوستان کی ان قوموں کی موجودہ دولت چھینی گئی بلکہ انتظام کیا گیا کہ ایسے پیشوں کو اُن کے لئے مخصوص کیا جائے۔ جو کبھی دولت آفرینی کا باعث بن ہی نہ سکیں۔ اُن قوموں کے لئے حصولِ علم گناہِ عظیم قرار دیا گیا۔ اور اُن کو یہ حق بھی نہ دیا گیا کہ وہ انسانی آبادیوں میں اپنے فاتحین کے ساتھ آباد ہو سکیں۔ انتہا یہ تھی کہ ان کا چھو لینا اور اُن کے سایہ کا پڑ جانا بھی غرورِ فاتحانہ کے لئے ذلت تصور کی گئی۔ تاریخ عالم اس ظلم و استبداد اور بہیمیت کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اور انسانیت خجالت سے سرِ بہ گریباں منوشاستر اور رگ وید آج بھی دنیا کی آنکھوں کے سامنے ہیں جن کے دفعات قانونِ اچھوت کی محنت کی کمائی کو جو اس کی ضرورت سے زیادہ ہو جانے بڑی ذات والوں کی مِلک قرار دے رہے ہیں۔ اِن کا حصولِ علم اتنا بڑا قابلِ تعزیر جرم قرار دیا گیا کہ اس کی زبان تپتے ہوئے سوئے سے چھید دی جائے یا قطع کر دی جائے اور اگر اس نے صرف سُن کر اپنے قلب و دماغ میں روشنی پانے کی کوشش کی تو اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر بھر دیا جائے۔ آج بھی راجپوتانہ کے بعض علاقوں میں اچھوت کو گھی کی مٹھائی کھانے کا حق نہیں ہے۔ اور اس کی عورت کو سنجاف لگے ہوئے لہنگے پہننے کی اجازت نہیں۔ جنوبی ہندوستان کا اچھوت چند دنوں قبل تک جب آبادی میں جاتا تو اپنی پیٹھ سے ایک جھاڑو لٹکائے ہوئے ہوتا تھا اور گلے میں ایک ہانڈی باندھے رہتا تھا۔ تاکہ اس کا تھوک ان فاتحین عالی مرتبت کی آبادیوں کو

ناپاک نہ کرے۔ اور اُس کے نقشِ قدم اُن کی گذرگاہوں پر نشانِ نحوست بن کر باقی نہ رہ جائیں۔ آج بھی ان کا سایہ ان کی غذا کو ناپاک کر دیتا ہے۔ اور اس کا لمس ان کی باڈلیوں کے پورے پانی کو گندہ بنا دیتا تھا۔ زمانہ نے گو اچھوت کو اپنی اس زندگی پر قانع کر دیا تھا۔ لیکن آج اُس کی آنکھیں کھل چکی ہیں اور اس کے احساسات بیدار ہو چکے ہیں۔ اس حالت سے نکلنے کے لئے بے چین ہے۔ اور شاستروں کے ظالمانہ قوانین کے مقابلہ میں کسی ایسے الہامی اور ربانی ضابطہ کا متلاشی ہے۔ جس کے سایہ میں وہ انسانیت کے حقوق کو پا سکے۔ اور اللہ کی زمین پر آدم پیدا ہوا ہے۔ تو آدمیوں کی زندگی بسر کر سکے۔ وہ نیچ اونچ کے اس طوفان سے نکل کر جہاں نسلی تفریقیں کام کر رہی ہیں، کسی ایسے بھونچال میں پھنسنا بھی نہیں چاہتا جہاں کالے اور گورے میں تفریق کی جا رہی ہو۔ وہ ایسے مذہب کا متلاشی ہے جہاں حصول مساوات کے لئے نہ لیجسلیٹو کونسل کے رزولیوشن کی ضرورت آئے نہ حکومت کے خصوصی فرامین کی۔ ایسا مذہب بلا خوف تردید اگر دنیا میں کوئی ہو سکتا ہے تو وہ اسلام اور صرف اسلام اور اسلام ہے۔ شاید تاریخ اسلام میں کوئی دور ایسا آیا ہو جبکہ ایک عظیم الشان قوم جس کی تعداد ممالک عربیہ کے بسنے والے سارے انسانوں کی تعداد سے بھی زیادہ ہو۔ بہ یک وقت اور برضا و رغبت، اسلام کی طرف والہانہ بڑھے۔ دھات کا دورہ کیا گیا ہے۔ اس قوم کے ایک ایک فرد سے گھنٹوں گفتگو کی گئی ہے۔ جن کو دنیا جاہل اور انتہا درجہ نادان سمجھتی ہے اُن کے قلب و دماغ کو خوب ٹٹولا گیا۔ اور دعویٰ کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مسلم مبلغین کو ان پر کچھ زیادہ محنت صرف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ آمادہ ہیں اور تیار۔ ایسے متعدد

مقامات کی نشاندہی کی جاسکتی ہے جہاں سے اُن کے وفود تبلیغی اداروں میں آئے ہیں اور خواہش کی کہ مبلغین کو وہاں بھیجا جائے اور اُن کو اسلام کی تعلیم دی جائے وہ وقت آپ کی آنکھوں میں پھر گیا ہوگا۔ جب کہ مسجد نبوی کے صحن میں یمن وحضرموت عمان وبحرین کے وفود اپنے پڑاؤ ڈال رہے تھے۔

اچھوت اقوام کے اس احساس پستی اور عزم تبدیل مذہب نے جہاں ایک طرف ادعائے مساوات رکھنے والے مذاہب کو ان کی طرف متوجہ کیا وہیں آج ہزاروں برس پُرانے نام نہاد آقاؤں کے دل میں دہشت پیدا کردی جو اُن سے یونان اور روما کے قدیم سرمایہ داروں کی طرح پیٹ بھر روٹی بھی دئے بغیر بیل اور گدھے سے زیادہ کام لے رہے تھے۔ وہ اپنی ننگی پیٹھوں اور ٹھٹھرے ہوئے جسموں کے ساتھ صبح سے شام تک اُن کے کھیتوں میں جتے رہتے، ان کے جانوروں کی خدمت کرتے، ان کے گھر کا کوڑا کرکٹ وغلاظت صاف کرتے، اُن کا اسباب ڈھوتے اور اس ساری محنت کے بدلے جوتیاں کھاتے، گالیاں سنتے، ننگے جسم پر پیٹتے اور شام کو اس طرح اپنے گھر لوٹتے کہ ان کی گرہ میں پیٹ کی دوزخ بھرنے کے برابر بھی نہ ہوتا آج ان مالکان چنگیز صفت کو یہ ڈر لگا ہوا ہے کہ مفت غلاموں کی یہ فوج اُن کے ہاتھوں سے چھوٹ کر دنیا میں اُن کے برابر انسان ہونے کی دعویدار بن رہی ہے اور انھوں نے عزم کرلیا ہے کہ اُن کو اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے گا، چاہے اس کے لئے کتنی ہی مصیبتیں کیوں نہ اٹھانی پڑے۔ گاندھی جی نے میدان سیاست میں اس قوم کے جُداگانہ انتخاب کو تک برداشت نہ کیا۔ اور اس کی خاطر جان دینے کو تُل گئے۔ اور اب انھوں نے میدان سیاست سے ہٹ کر اپنی زندگی کو انہی

کی دلجوئی و خدمت گزاری کے لئے وقف کردیا ہے۔ دوسری طرف ایک جماعت پیدا ہو رہی ہے۔ جو اپنے مذہب کے ان اصولوں کو ترک کر کے جن پر ہندو مذہب کی بنیاد رکھی گئی تھی یا دوسرے الفاظ میں ہندو مت کے اس نقص کو تسلیم کر کے ان کے ساتھ تعلقاتِ معاشرتی قائم کرنے کے لئے تیار ہو رہی ہے۔ اس حد تک ہم خود بھی اُن کو خیر مقدم کرتے ہیں لیکن وہ وقت سخت تکلیف دہ ہوتا ہے جب کہ اچھوتوں کا کوئی خاندان اسلام کو قبول کر لیتا ہے۔ اور اُن کے یہ نام نہاد مالک ہم مذہبی کے دعویدار بن کر ان کے بچانے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دھرم کے نام پر ایک طرف اُن کو طرح طرح کی ترغیب دیتے ہیں۔ تو دوسری طرف ان کے لئے عرصۂ حیات تنگ کر دیا جاتا ہے۔ مبلغین کو مختلف طریقوں سے بدنام کرنے اور حکومت اور قانون کی گرفت میں پھنسانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہی وہ وقت ہے جب کہ داعیانِ حق کے امتحان کی نوبت آتی ہے۔ دکن میں تبلیغ کے دوران میں ساری مصیبتیں پیش آئیں افترا پردازیوں کے طوفان اُٹھائے گئے۔ سلطنت آصفیہ کو بدنام کرنے کے لئے اس کو تبلیغی کوششوں کا شریک و سہیم ظاہر کیا گیا۔ مبلغین پر جبر و اکراہ کے اتہام لگائے گئے۔ نومسلمین کو بہکایا گیا کہ ان کو یہودیوں سے لڑنے کے لئے فلسطین بھجوانے کی غرض سے مسلمان کیا جا رہا ہے۔ اُن کی کمزور فطرت عورتوں کو ڈرایا گیا کہ دلہن شہزادہ کے لئے کوئی سونے کی کان برآمد ہوئی ہے اور ان کے بچوں کو اس کان پر بھینٹ چڑھایا جائے گا۔ نومسلمین کے بلوتے یعنی حقِ خدمت روک دیے گئے ان کو اپنی زمینات سے محروم کرنے کی کوشش کی گئی۔ کئی کئی روز اُن کو مقید رکھ کر ظالمانہ طور پر زدوکوب کی گئی قتل کی دھمکیاں دی گئیں۔ سرقہ اور ڈاکے کے جھوٹے الزامات

لگا کر چالان کیا گیا اور ہر اس تدبیر کو کام میں لایا گیا جو ننگ انسانیت ہے۔ اور طرفہ ماجرا یہ کہ ہندوستان کے طول و عرض میں جھوٹ اور افترا پردازانہ پروپگنڈا کیا گیا۔ جب ہندوؤں کے دعویداروں قیادت سے یہ خواہش کی گئی کہ وہ اس جھوٹ کا پرچار کرنے کے بجائے خود جا کر اِن امور کی تحقیقات کریں اور صحیح حالات سے پبلک کو مطلع کریں تو انھوں نے نہ صرف اس سے گریز کیا بلکہ بعض دفعہ کھلے الفاظ میں اقرار کیا کہ اس قسم کا غلط پروپگنڈا چونکہ ہندو قوم کی بیداری کے لئے ضروری ہے اس لئے وہ اِس کو روکنا نہیں چاہتے۔

دوستو! آپ جانتے ہیں کہ اسلام نے تبلیغ مذہب میں کبھی جبر و اکراہ کو جائز نہیں رکھا۔ قرآن کی زبان میں اس مسئلہ میں ہر قسم کے ابہام سے پاک ہے (لا اکراہ فی الدین) اور کوئی مسلمان دین کی تبلیغ میں کبھی کسی ایسے فعل کو روا نہیں رکھ سکتا۔ جس میں مکر۔ لالچ۔ جبر اور تشدد کو دخل ہو۔ اس کے باوجود آپ کو اس کا یقین رکھنا چاہئے کہ جب آپ تبلیغ کے میدان میں قدم رکھیں گے تو جن مصیبتوں سے میں گذر چکا ہوں اور جن مصیبتوں سے بہ اتباع محمد رسول اللہ ہر داعیٔ اسلام کو گزرنا چاہئے۔ وہ آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔ عزم اور صرف عزم ارادہ کی پختگی اور صرف ارادہ کی پختگی، استقلال اور صرف استقلال، آپ کو منزل مقصود سے قریب کر سکتے ہیں۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ آپ کے قدم ڈگمگا نہ جائیں اور آپ منزل پہ پہنچنے سے قبل نہ رک جائیں۔ آپ کے صاحبانِ ثروت کو چاہئے کہ اس مبارک ترین کام کے لئے جس کو میں کسی طرح نماز اور روزہ سے کم نہیں سمجھتا اپنے دست کرم کو دراز کریں۔ آپ کے اصحاب علم و فکر کو چاہئے کہ اپنے زبان و

قلم کو حرکت میں لائیں۔ آپ کے پریس کو چاہئے کہ اپنے اثرات سے کام لے اور
آپ سب کو، ہر فرد کو چاہئے کہ قرنِ اول کے مسلمانوں کی طرح اپنے آپ کو مبلغ اسلام بنائے
تبلیغ کے لئے سب سے بڑی دشواری سرمایہ کی کمی ہے جو ہمیں قدم قدم
پر دامن پکڑ لیتی ہے۔ اور آگے بڑھنے نہیں دیتی۔ سرمایہ اس لئے نہیں کہ
معاندین کے بر خود غلط الزام کے مطابق آپ اس سے کسی کے ضمیر کو خریدیں بلکہ
اس لئے کہ مبلغین کا خرچ برداشت کریں۔ قبولیت اسلام کرنے والے نومسلموں کی
تعلیم و تربیت کا انتظام کریں اور ان پر جو مصائب آلام آئیں ان سے ان کی حفاظت کریں۔
تبلیغ کی دوسری اہم ضرورت مخلص، سچے اور صلاحیت یافتہ
مبلغین کی فراہمی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ ہم میں کا ہر شخص مبلغ ہوا کرتا تھا
لیکن آج ڈھونڈے سے ایسے لوگ نہیں ملتے جو تبلیغ کی صحیح صلاحیت رکھتے ہوں
تبلیغ کی تیسری ضرورت مسلمانوں کی ہمدردیوں کا حاصل کرنا ہے۔ جن کو
صدیوں کی صحبت اور ہمسائیگی نے چھوت چھات کے اعتبار سے پورا
نہیں تو آدھا ہندو ضرور بنا دیا ہے۔ آپ کے مبلغین کو چاہئے کہ غیروں کو مسلمان
بنانے سے پہلے ان مسلمانانِ ہندو صفت کو مسلمان بنائے۔ اپنے تجربہ کی بنا پر
میں ایک نصیحت آپ کو کرنا چاہتا ہوں کہ دیہات میں افراد کو مسلمان بنانے کے
بجائے کوشش کیجئے کہ پوری جماعت مسلمان بنے۔ اس وقت تک چند آمادہ اسلام
افراد کو کلمہ پڑھانے میں دریغ کرنا مناسب ہوگا۔ جب تک کہ ان کے اثر سے
اس گاؤں کے اکثر اچھوت آبادی کو آمادہ اسلام نہ کیا جائے۔
یہ چند اصولی باتیں تھیں جن کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرائی گئی ورنہ

میدانِ تبلیغ اتنا وسیع ہے کہ ہر روز اس میں نئے تجربوں کی توقع کی جا سکتی ہے۔ ہوشیار کارفرما ان سے بآسانی صحیح نتائج اخذ کرتا اور نئی راہیں پیدا کر سکتا ہے۔

آخر میں میری دعا ہے کہ خدا آپ کو اس اہم فریضۂ اسلام و انسانیت کے ادا کرنے کی توفیق عطا کرے۔ آپ کے قول میں صداقت اور دل میں خلوص ہو۔ آپ کے ارادوں میں استقلال اور عمل میں استحکام ہو۔ معاندین کی فریب کاریوں کا آپ پوری طرح سے مقابلہ کر سکیں۔ اور اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں۔ آخر میں ایک مرتبہ پھر میں آپ کی ان عنایات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو مجھ پر مبذول رہیں اور رخصت ہوتا ہوں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

جلسۂ میلادالنبی میں

نواب صاحب کی دعائے مضطر

مورخہ ۳۱ ہر امرداد ۱۳۴۸ف م ۱۱۱ ر دز پنجشنبہ بعد نماز عصر حضرت شاہ شجاع الدین صاحب رح کی گنبد میں میلاد النبی کا جلسہ نہایت عظیم الشان اور اعلیٰ پیمانہ پر منایا گیا تھا۔ ہزاروں آدمی لاوڈ اسپیکر کے ذریعہ تقریروں سے مستفید ہوئے۔ مولانا سید شاہ عبداللہ صاحب، مولانا ابوالحسن سید علی صاحب ایڈوکیٹ و مولانا میر مظہر علی صاحب کامل کے تقاریر کے بعد لسان الامت قائد ملت نے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں رجوع ہو کر دعا مانگی۔ اے کائنات کے پیدا کرنے والے آفتاب کے چمکانے والے۔ ستاروں میں نور بخشنے والے۔ زمین بیہائی عطا کرنے والے! اور آسمان سے ابر، ابر سے پانی، پانی سے ندیاں، ندیوں سے کھیت کھیت سے اناج پیدا کرنے والے۔ اس کائنات ارضی کو ہمارے لئے پیدا کیا۔ ہم تیرے جلیل القدر احسانات کے بوجھ کے نیچے دبے جا رہے ہیں۔ ہم تیرے اُن احسانات کا۔ کس طرح شکریہ ادا کریں۔ ہماری توبہ قبول فرما۔ ہم گنہگار ہیں ہماری بدکاریاں اور سیہ کاریاں اس قابل نہیں کہ تیری بارگاہ میں حاضری دے سکیں ہمارے

قلوب کو نورِ ایمان سے منور کردے۔ اور ذلالت اور عداوت، نفاق، جھوٹ، کینہ، رشک، اور بغض کو ہمارے سینوں سے دُور فرما۔ محبّت و خلوص، صدق و صفا، بے ریائی، ایک دوسرے سے ہمدردی اور غم کھانے کے جذبہ سے ہمارے قلب کو معمور کردے۔ اسی طرح جس طرح کہ تو نے آسمان کو تاروں سے زمینوں کو چرندوں سے اور آب سمندر کو پانی سے معمور فرمایا۔ ہمارے عہدہ داروں کو عدل و انصاف سے کام کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ہمارے اصحاب تمول کو انفاق فی سبیل اللہ پر عمل پیرا رہنے کی اور اپنے دولت کے صحیح مصرف سے واقف فرما۔ ہمارے وکلاء، حکماء، لگان دار اور تاجروں کو خدا کے راستے میں قربانی کا صحیح جذبہ عطا فرما۔ ہمارے نوجوانوں میں صحیح جوشِ عمل اور کارکردگی کا اعلیٰ جذبہ پیدا کر۔ ہمارے بچے اپنے آپ کو اسلامی تعلیمات کا صحیح خوگر ثابت کریں۔ ہماری بہنوں کو توفیق عطا کر کہ وہ اپنے نونہالوں کو گلشنِ اسلام کا گلِ سرسبد بنا کر بازارِ عالم میں پیش کریں۔ اور ہم سیہ کاروں کو فیروزمندی کا راستہ بتلا۔ اور اس راستے سے بچا، جس سے امتِ محمدیہ کو خیر مذلت سے دوچار ہونا پڑے۔ خدایا۔

اربابِ حل و عقد وہ کام کریں جس سے ان کو تاریخ ہر وقت زندہ رکھے۔ ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مورخ کا قلم تاریخ کو برابر مرتب کر رہا ہے۔ وہ یہ سمجھ لیں کہ ان کی زندگی کے چند لمحے اب ختم ہونے والے ہیں اور ان پر اسلام کی پوری ذمہ داری عائد ہے۔

بارِ الٰہا! اعلیحضرت نواب میر عثمان علیخان بہادر کو جو تیرے عبادت گزار بندے۔ اور تیرے پیارے رسول سے محبت رکھنے والے بادشاہ ہیں۔

ان کی عبادت میں مزید ترقی دے۔ اُن کے قلب کو اپنی محبت اور اپنے خوف سے بھر دے۔ اُن میں وہ صفات عطا فرما۔ جو ایک جلیل القدر اور عظیم المرتبت شہنشاہ میں ہو سکتی ہیں۔ شجاعت، حلم، سخاوت، تدبر، فراست، اصابت رائے اور قوتِ فیصلہ عطا فرما اور دورِ حاضرہ کا صحیح مطالعہ کرنے کی توفیق دے۔ اور ساری دنیاوی قوتوں سے ان کو نڈر بنا۔ بار الٰہا ساری دنیاوی قوتوں سے ان کو نڈر بنا۔ اور اپنے خوف کو ان کے دل و دماغ پر مرتسم کر دے۔ آئندہ حالات سے متعلق ان کے دل میں بٹھا دے کہ مسلمان کیا قیمت رکھتا ہے۔ خدایا — تجھے معلوم ہے کہ مسلمان سے اُن کے تاج و تخت کی عظمت ہے۔ اور ان کی ذات سے مسلمانوں کی عزت ہے مسلمان ان کے لئے ہے۔ اور مسلمان کے لئے وہ۔ خدایا — اگر مسلمان قوی نہیں تو ان کا تخت بھی قوی نہیں۔ بار الٰہا۔ ان کے وزرا کو توفیق عطا فرما کہ اپنے بادشاہ کے منشاءِ حقیقی کو سمجھیں۔ اور اس کی تکمیل کریں۔ خدایا — ہم مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کی دولت مرحمت فرما۔ اتحاد المسلمین کی مجلس عاملہ کو توفیق عطا فرما کہ اپنے بادشاہ کے منشاءِ حقیقی کو سمجھیں اور اس کی تکمیل کریں۔ خدایا۔ ہم مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کی دولت مرحمت فرما۔ اور اتحاد المسلمین کی مجلس عاملہ کو توفیق عنایت فرما کہ وہ مسائل کو تیرے نورِ ایماں کی روشنی میں دیکھے۔ اور مسلمانوں کے لئے صحیح راہِ عمل تجویز کرے اور مسلمانانِ دکن کو توفیق دے کہ مرکزیت کا صحیح احساس کو بن اتفاق کی قدر پہچانیں اور شقاق و تشتت سے حتی الوسع بچے رہیں۔

صدر مجلس اتحاد المسلمین

یہ ایک ناقابلِ حقیقت انکار ہے کہ اس وقت مسلمانوں کے قوائے عمل مفلوج ہو چکے ہیں۔ ان کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں، جو تاریک نہ ہو۔ معاشی، اقتصادی، معاشرتی، مذہبی اور سماجی غرض ہر شعبۂ حیات کافی طور پر قابلِ اصلاح ہے۔ کوئی مُصلح یا ریفارمر، جب خدمتِ قوم کے قوی ترین احساسات کے ساتھ میدانِ عمل میں آتا ہے۔ تو اس کو سخت مایوسی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ایک آدھ کمزوری تو سعی پیہم سے دُور ہو سکتی ہے۔ مگر یہاں تو کوئی کَل سیدھی نہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمتیں پست ہو جاتی ہیں۔ انفرادی کوششوں سے ایک بڑی قوم کی اصلاح ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ تاوقتیکہ خلوص اور ذمہ داری کے ساتھ پوری جماعت مستقل عزائم کی پیش رفت میں تعاون نہ کرے، اس وقت تک کوئی بڑا کام انجام نہیں پاسکتا۔ فرزندانِ ملت کے تعاون کا اس سے بہتر اور کونسا موقع ہو سکتا ہے کہ ہیئت اجتماعی کی ترکیب میں وہ اپنی انفرادی مجمع جمع کرکے اپنی ملت کی اساس کو مضبوط بنائیں۔ عہدِ حاضر کی یہ سب سے بڑی نیکی ہے۔ اس لئے قرآن کی اس آواز پر ان کو سب سے پہلے لبیک کہنا چاہئے۔ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط

نیکی اور پرہیزگاری کی امداد کرو۔ اور گناہ و مخالفت سے کنارہ کش رہو۔
مسلمانوں میں مرکزیت و اجتماعیت کا فقدان ہے۔ ہر طرف محشر انتشار برپا ہے۔ تشتت و افتراق کے ایسے نازک زمانہ میں حق تعالیٰ کے اس حکم کے ماتحت وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔ اللہ کی رسی (قرآن) کو متحد ہو کر مضبوطی سے تھامنا اور آپس کے افتراق کو مٹانا ہم پر فرض ہے۔

مسلمانوں کے لئے سب سے بڑی چیز قومی وحدت کا تحفظ ہے۔ نقاطِ نظر کے طبقہ واری اختلافات اب تک مٹے ہیں۔ نہ اب مٹ سکتے ہیں۔ لیکن یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ انہیں جزئی یا فروعی اختلافات کی بناء پر مذہب کے اساسی مسلمات کو وراء پشت ڈالا گیا، طبقہ واری مفاد کو اجتماعی مفاد پر ترجیح دی گئی۔ جس کا تلخ ترین نتیجہ آج ہماری قومی زندگی کا ناسور ہے۔ اس دور کے سب سے بڑے مفکر اور شاعر اعظم نے "جواب شکوہ" میں اس نکتہ کو یوں بیان کیا ہے۔ ع

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں
اقبال

ہمارے اس انتشار نے تنازع حیات میں ہم کو اغیار کا دست نگر بنا رکھا ہے

لرزہ بر اندام کر دیا۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ پرستارانِ باطل کے مقابلے میں پرستارانِ حق کی اقلیت اس قدر زیادہ پریشان کُن نہ ہوتی۔ اگر اتحاد المسلمین کی قوت و طاقت کا اندازہ کر لیا جاتا۔ اس دعوے کی دلیل کے لئے ساڑھے تیرہ سو برس کے تابناک ماضی کی تاریخ کافی ہے۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کی قرآنی تصدیق شاہد ہے۔ مسلمانوں کے موجودہ حالِ زار پر مرثیہ خوانی ماتم کا یہ وقت نہیں، فوری تنظیم و اتحاد کا وقت ہے ابھی سے قومی شعور و بیداری فہم عامہ کی یکسانیت اور اجتماعی مطمحِ نظر کی نشو و نما ہو سکتی ہے۔ بنیادی اصول نظر انداز نہیں کئے جا سکتے یہی اصول مستحکم تنظیم اور دائرہ عمل کے محور ہونے چاہییں۔ مسلمانوں کے مذہبی اعمال اجتماعیت کے عظیم تر نصب العین کی پرورش اور بقاء کے ضامن ہیں۔ اور یہ موقف ناقابلِ فراموش ہے کہ کلمہ طیبہ کے اقرار و تصدیق کے بعد نماز باجماعت۔ زکواۃ، حج، فطرہ، قربانی وغیرہ اجتماعی مفاد کے مختلف مدارج جو فکر و عمل کی لغزشوں کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ دوسری اقوام کی تنظیم، اور اندرونی اختلافات کے باوجود ان کی یکجائی، اور اتحادِ عمل ہمارے لئے بہت عبرت ہے۔ کس قدر حیرت انگیز امر ہے کہ اس مذہب کے پیرو اور متبعین نے جو رنگ و نسل کے امتیازات کو مٹانے کی تعلیم دیتا ہو۔ پھر اسی بُت کی پرستش شروع کر دی جس کو شارع اسلام نے توڑا تھا۔ صحیح اسلامی تخیل، اقبال کی زبان میں یہ ہے کہ ؎

بُتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گُم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی و افغانی

یہ صرف تعلیم نہیں، بلکہ اس پر عمل کر کے دنیا کو دکھایا گیا ہے۔ کہ اسلام میں

عالمگیر برادری اور مساوات کے نظریہ کا منتہا مقصود کتنا ارفع و اعلیٰ ہے۔ آج ہم پیروان اسلام کے آگے اغیار کی مثالیں پیش کرتے ہوئے شرم سے پانی پانی ہو جاتے ہیں۔ مگر کیا کیا جائے۔ کہ بھلائے ہوئے سبق کو یاد دلانے کے سوا چارہ نہیں۔ آج تک بہت کچھ کہا گیا ہے۔ اور بہت کچھ سنا گیا۔ مگر کوئی مفید نتائج برآمد نہ ہو سکے اس لئے ضرورت اب اس امر کی ہے۔ کہ کم کہا جائے اور زیادہ کیا جائے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے آپس کی تنظیم اور اتحاد ضروری ہے۔ وہ ساعت مبارک ہوگی۔ جب کہ ما بہ الاشتراک امور میں متحد ہونے کا قومی احساس پیدا ہوگا۔ قرآنی دعوت کے مطابق تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ کے منشا پر عملی قدم اٹھایا جائے گا۔ اور انہیں مقدس جذبات کے ساتھ حائل شدہ خلیج افتراق پاٹی جائے گی۔

وقت کی سب سے اہم ضرورت کے پیش نظر مصلحین قوم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ حتی الامکان جزئی اختلافات کو مٹائیں۔ اور اصول و کلیات کے مرکز پر تمام مسلمانوں کو جمع کرنے کی کوشش کریں۔ ذیلی عقائد کے منافشات سے ناقابل تلافی نقصان پہنچا اور پہونچ رہا ہے تعمیر قوم کی سب سے پہلی منزل پر یہ ایقان ہونا چاہئے کہ

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

اقبال

مجلس کے اغراض و مقاصد مختصراً حسب ذیل ہیں:-

ف ۱۔ اس امر کی کوشش کرنا کہ تمام فرقہ ہائے اسلام احکام اسلامی کی پابندی کرتے ہوئے اپنے ملک اور مالک کے ہمیشہ وفادار رہیں۔

ف ۲۔ اس امر کی کوشش کرنا کہ مسلمان طلباء کو قرآن مجید کی خاص طور پر ایسی تعلیم دیجائے کہ وہ قرآن مجید کے احکام سے واقف ہو سکیں۔

ف ۳۔ تمام مسلمانوں کو قرآن مجید کی طرف متوجہ کرنا کہ وہ اس حبل اللہ کو مضبوط تھامیں۔ اور ملک میں قرآن مجید کی تعلیم کما حقہٗ ہونے کا انتظام کرنا۔

ف ۴۔ مجلس علماء اتحاد المسلمین کے ذریعہ اُمت اسلامی کی اصلاح اور تبلیغ کا کام انجام دینا۔

مجلس کے آگے طریق کار اور نوعیت اصلاح کے متعلق مکمل لائحہ عمل موجود ہے۔ اس پر جلد سے جلد عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔

مجلس کا قیام

انہیں عظیم الشان مقاصد کو پیش نظر رکھ کر اور ہمدردان ملت کے مہینوں غور و فکر و تبادلہ خیالات کے بعد مجلس اتحاد المسلمین قائم ہوئی جس میں جملہ فرقہ ہائے اسلامی کے پیشوا ہادی اور معتقدین اتحاد عمل کے ساتھ عمل پیرا ہیں واضح ہو کہ ابتدا میں مجلس کا انعقاد معہ ضروری و ابتدائی قواعد و دستور العمل کے ۲۹ دی ۱۳۳۷ ف کو ہوا اور اس کے بعد متعدد مجالس ہو کر مجلس ہذا کی باضابطہ تشکیل ہوئی اور بتاریخ

۱۷؍ فروردی ۱۳۳۸ف کو اجلاس عام میں دستور العمل مکمل ہو کر منظور ہوا جس کے بعد ۱۱؍ اردی بہشت ۱۳۳۸ف کو حسب صراحت ذیل اراکین عاملہ و عہدہ دار منتخب ہوئے

۱ مولوی سید بندہ حسن الحسینی صاحب	۲ مولوی عبد القدیر صاحب صدیقی
۳ مولوی سیّد محمدؐ بادشاہ حسینی صاحب	۴ مولوی محمدؐ حسام الدین صاحب فاضل
۵ مولوی حکیم مقصود علیخاں صاحب	۶ مولوی محمد ابو الحمید صاحب آزاد
۷ نواب بہادر یار جنگ بہادرؒ	۸ مولوی عبد الرحیم صاحب
۹ مولوی مطیع الرّسول صاحب	۱۰ مولوی سیّد محمدؐ صابر حسینی صاحب
۱۱ مولوی سیّد مرتضیٰ صاحب	۱۲ مولوی محمدؐ عباس خاں صاحب
۱۳ مولوی سیّد ہادی علی صاحب	۱۴ مولوی سید زین العابدین صاحب
۱۵ ڈاکٹر زاہد علی صاحب	۱۶ مولوی محمدؐ محمود نواز خانصاحب معتمد
۱۷ مولوی مرزا مظہر علی بیگ صاحب مددگار معتمد	۱۸ مولوی بشارت احمد صاحب

منجملہ ۱۸ اراکین میں سے ۱۵ آراکین اور ایک معتمد اور ۲ مددگار معتمد منتخب ہوئے۔

اس مجلس کا ابتدائی نام اتحاد بین المسلمین رکھا گیا تھا لیکن بعد بحث و مباحث کے بعد مجلس کا نام اتحاد المسلمین رکھا گیا۔ اور ایک جلسہ نواب صدر یار جنگ بہادر شروانی کی صدارت میں مورخہ ۱۴؍ بہمن ۳۸ف روز جمعہ ۲½ ساعت دن منعقد ہوا جس میں بہت سارے مسلم اکابر شریک تھے اس جلسہ میں مجلس کی باضابطہ بنیاد رکھی گئی اور چند اصلاحی کام کئے گئے لیکن یہ کام ایسے نہیں تھے جن کو کچھ اہمیت

دی جاتی۔ اسی طرح مجلس گمنامی میں تھی۔ اور مجلس پر سکوت اور جمود طاری تھا۔

مجلس اتحاد المسلمین کی جدید تنظیم

۱۲ آذر ۱۳۴۷ف کا وہ مبارک دن تھا جب کہ مہدی منزل میں مجلس کی تنظیم جدید ہوئی۔ پہلا جلسہ نواب ڈاکٹر ناظر یار جنگ بہادر کی صدارت میں دوسرا جلسہ مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب معتمد علماء دکن اور تیسرا جلسہ مولانا سید ابو الحسن سید علی صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ سارے جماعتی عقائد اور حدبندیاں مسلمانوں کی زندگی اور مشترکہ مفاد کے راستے سے الگ ہوگئیں شخصی معتقدات اور فروعات کو ہر شخص کے اپنے ذاتی ایمان اور تصورات کا درجہ دے کے ان پر آزادی سے عمل کرنے کا پیدائشی حق دیا گیا تمام اسلامی فرقوں کے نمائندوں کی ایک مجلس عاملہ بنائی گئی جس میں حسب ذیل اصحاب شریک ہوئے۔

مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب	قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر
مولانا آغا بندہ حسن صاحب مرحوم	ڈاکٹر زاہد علی صاحب
مولانا عبد القدیر صاحب صدیقی	مولانا سید فرید بادشاہ صاحب
مولانا ابو البیان خواجہ بہاء الدین صاحب	مولوی عبد الرزاق صاحب کیمسٹ
مولوی خواجہ محمد احمد صاحب	مولوی بشارت احمد صاحب
مولوی شیخ احمد عبادی صاحب	ڈاکٹر حمید اللہ صاحب
مولوی محمود نواز خاں صاحب	مولوی محمد اسماق صاحب
مولوی محمد صابر حسینی صاحب	مولوی موید الدین صاحب

مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی	مولوی غلام مصطفےٰ صاحب
مولوی ابو الحسن صاحب قیصر	مولوی محمد اعظم صاحب
مولوی محمد عباس صاحب	مولانا سید شاہ ولی اللہ حسینی صاحب
مولوی مرزا مظفر علی بیگ صاحب	مولوی عبد السلام صاحب

مولوی ریاض احمد صاحب ۔ شریک تھے ارکان عاملہ ہی میں سے معتمد شرکا، اور خازن کا انتخاب عمل میں آیا۔

مولانا ابو البیان خواجہ بہاء الدین صاحب معتمد۔ نواب بہادر یار جنگ بہادر اور مولوی اسحاق صاحب شرکا معتمد اور مولوی عبد الرزاق صاحب کیمسٹ خازن منتخب ہوئے۔ دوسرے سال ۳ شوال ۱۳۵۷ھ کو مہدی منزل بیگم بازار ہی میں سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ اور ایک مجلس عاملہ :

	مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب
نواب بہادر یار جنگ بہادر	مولانا سید شاہ صابر حسینی صاحب
مولانا سید ولی اللہ حسینی صاحب	مولانا شیخ احمد صاحب شطاری
مولوی ابو الحسن سید علی صاحب ایڈوکیٹ	مولانا ابو البیان خواجہ بہاء الدین صاحب
مولانا مظہر علی صاحب کامل	مولوی عبد الرؤف صاحب
مولوی حکیم الدین صاحب انصاری	مولوی یامین زبیری صاحب
مولوی محمد اعظم صاحب	مولوی غلام احمد خاں صاحب
مولوی حاجی طیب علی صاحب	مولوی محمود علی صاحب
مولوی محمود نواز خاں صاحب	مولوی مرزا مظفر بیگ صاحب
مولوی حیدر رضا صاحب زیدی بیرسٹر	مولوی سید حسین صاحب

خانصاحب دوست محمد علاء الدین صاحب — مولوی بدر الدین خاں صاحب شکیب
مولوی مرزا محمود علی بیگ صاحب — نواب معین یار جنگ بہادر
نواب دوست محمد خاں صاحب — مولوی سید محمد عباس صاحب۔

تشکیل دی گئی اس مجلس کے معتمد مولوی ابو الحسن سید علی صاحب ایڈوکیٹ شرکا، معتمد مولانا سید شاہ ولی اللہ حسینی صاحب و مولوی کلیم الدین صاحب انصاری اور خازن مولوی سید حسین صاحب کیمسٹ منتخب ہوئے۔ اسی دور میں ایک مجلس قائمہ بھی قائم ہوئی جو نواب بہادر یار جنگ بہادر و مولانا سید شاہ ولی اللہ حسینی صاحب۔ مولوی ابو الحسن سید علی صاحب۔ مولوی کلیم الدین صاحب انصاری۔ مولانا میر مظہر علی صاحب کامل۔ مولوی یامین زبیری صاحب۔ مولوی مولوی عبد الرؤف صاحب۔ مولوی محمد اعظم صاحب پر مشتمل ہے۔

ایک نئی رُوح میں ایک نیا ماحول صورت گری کی تلاش میں تھا اور اسی تلاش سے موجودہ مجلس اتحاد المسلمین پیدا ہوئی ایک کو لوگوں نے بنانے کی کوشش کی اور دوسری کو ضرورت نے پیدا کیا اسی طرح موجودہ مجلس اتحاد المسلمین پرانی مجلس ہے۔

مجلس کی نشاۃ ثانیہ

حالات سے متاثر ہو کر رسمی طور پر عصری رجحانات کے مطابق حیدرآباد میں وقتاً فوقتاً انجمن سازی کا احساس پیدا ہوتا رہا۔ لیکن احساس وقتی اور

بڑی خطرناک جذباتی ہونے کے باعث تعمیر ملت کا فریضہ ہر جدید ادارے کے لئے
بارگراں ثابت ہوا۔ خصوصیت کے ساتھ حیدرآباد کی فضاء ملت کے خالص تعمیری
کاموں کے لئے چند مخصوص اسباب کی بناء پر ناسازگار ثابت ہونے کے
علاوہ نت نئے مصائب و آلام کا باعث بنتی رہی۔ راستہ کی اس حوصلہ شکن
رکاوٹ نے بڑے بڑوں کے قدم کو جادۂ عمل سے ڈگمگایا ہے۔ لیکن جب غیرت حق
کو حرکت ہوتی ہے تو وہ عمل کی بے پناہ طاقتیں بخش کر ایک مردِ دانا کو ملت کی
قیادت کا منصب عطا فرماتی ہے۔ چنانچہ اس نازک موقعہ پر امرائے دکن کی ممتاز
سے ایک دردمند انسان نواب بہادر یار جنگ بہادر کو خدا نے اسلام کے
مخلص سپاہی اور خدمت گزار کی حیثیت سے کھڑا کردیا۔ جن کے پہلو میں ملت کا
درد اور جن کے جسم کی ایک ایک رگ میں خون کے بجائے اخلاص و محبت کی
آتش سیال گردش کر رہی ہے۔ اس مردِ مجاہد نے اپنے چند مخلص معاونوں کے
ساتھ اتحاد المسلمین کے قدیم ادارے کی تجدید کی اور اس کے پلاٹ فارم سے
"اعتصام بحبل اللہ" کا پیغام سنایا جو مسلمانوں کی ہر جہتی فلاح کا
واحد ذریعہ ہے۔

رمضان ۱۳۵۶ھ میں اتحاد المسلمین کی نشاۃ ثانیہ عمل میں آئی۔ آغازِ عمل کے
ابتدائی دنوں میں اس کی مساعی باہمی رشتہ اخوت و مودت کو مستحکم کرنے پر
مرکوز رہیں۔ اسلام کے مختلف فرقوں کے باثر نمائندوں کو ایک مرکز پر جمع کیا گیا۔
اور عوام کو بھی اسی مرکز کے ساتھ وابستہ ہونے کی دعوت دی گئی۔ وقت کا
اقتضاء، زمانہ کی روش اور سب سے زیادہ خدا کی نصرت عین وقت پر مسلمانوں کے

شامل حال ہوئی۔ اور اتحاد المسلمین کا ٹھہرا ہوا پودا نشوونما کے آثار دکھانے لگا۔

۱۳۵۶ھ کے اوائل میں توفیر رکنیت کے کام میں بڑی سرگرمی رہی۔ مجلس کی تنظیم کے لئے مسلمانوں کے آگے ایک مختصر سا لائحہ عمل رکھا گیا جس کو نوجوانوں کی جسمانی اور ذہنی قوتوں کے تربیت کا ایک عملی ہدایت نامہ کہا جا سکتا ہے۔ شہر اور اضلاع میں اس لائحہ عمل کے تحت تنظیم کا کام برابر ترقی پذیر رہا۔ جو اس سے پیشتر صفر کے برابر تھا۔

یادش بخیر۔ ابو البیان مولوی خواجہ بہاء الدین صاحب نے معتمد کی حیثیت سے اپنی تجارتی مصروفیتوں کے باوجود اتحاد المسلمین کے اس نوخیز پودے کی آبیاری میں شبانہ روز محنت و کاوش سے کام لے کر ایک انتھک باغبان کا فرض انجام دیا۔ اور اضلاع میں شاخوں کے قیام اور ارکان کی تعداد میں توفیر کی جانب توجہ فرمائی اور نتیجۃً مجلس کو قبول عام اور نمائندہ ادارہ بنانے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی۔ مجلس اتحاد المسلمین کی نشأۃ ثانیہ کا سال اول جمہور مسلمین میں احساس و شعور پیدا کرنے میں فی الجملہ کامیاب ثابت ہوا۔ علاقہ داری، صوبہ داری، قصباتی اور ضلعواری شاخوں کے قیام میں مسلمانوں نے عام طور پر دلچسپی کا اظہار کیا اور عملاً مسلمانوں کے لئے مجلس کے قیام اور بقا کی ضرورت کا ہر جانب سے اعتراف کیا گیا۔ اس ابتدائی کوشش نے تعمیری مقاصد کی تکمیل کے لئے زمین ہموار کر دی اور غفلت اور جمود کی جو یاس انگیز حالت مسلمانوں پر طاری تھی۔ بارے شکر کہ دور ہونے لگی۔ یقیناً مجلس کا یہ عظیم الشان کارنامہ بلکہ اعجاز ہے کہ اس نے ایک ہی سال کے اندر اس مقصد عظیم کو حاصل کر لیا۔ جو تو مول

کی ارتقا کی شرط اول ہے۔

اس اہم بالشان کامیابی کے لئے مجلس مبارک باد کی مستحق ہے۔ بالخصوص عامۃ المسلمین کی نذرِ عقیدت اور مخلصانہ تہنیت کا گراں بہا تحفہ مجلس کے یمین و یسار روحِ رواں، ستر لاکھ مسلمانانِ دکن کے قائد واحد لسان الامت نواب بہادر یار جنگ ہی کی خدمت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

اپنی قسمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول
پھول کچھ ہم نے چنے ہیں ان کے دامن کے لئے

مجلس کے دورِ جدید کا دوسرا سال

مجلس اتحاد المسلمین مسلمانانِ دکن کی بلا اختلاف نمائندہ جماعت تسلیم ہوچکی ہے سرکاری اور غیر سرکاری حلقوں میں اس کے وزن کو محسوس کیا جارہا ہے۔ ملک میں اس کا وقار قائم ہوچکا ہے۔ اور اس کی ہر دلعزیزی روز افزوں ہونے لگی۔

۲۸ شوال ۱۳۵۷ھ کو صدر مجلس نے اپنا سالانہ جلسہ شہر کے مشہور و معروف ایڈوکیٹ مولوی ابو الحسن سید علی صاحب کی صدارت میں منعقد کیا۔ اجلاس صحیح معنوں میں مجلس کی مقبولیت عام کا حیات افروز منظر تھا۔ صرف مقامی جرائد کی شائع شدہ اطلاع پر مسلمان جوق جوق جلسہ میں شریک ہوئے۔ ہر طبقہ اور ہر فرقہ کے فروعی اختلافات جو کل تک ملت اسلامیہ کی مرکزیت میں حارج ہو رہے تھے۔ آج ان کا کہیں پتہ نہ تھا۔ جلسہ میں صرف فرزندانِ توحید کا اجتماع تھا۔ جو ناموس شریعت اور امانت توحید کی صیانت کے لئے سرفروشانہ جذبات کے ساتھ جمع تھے۔ بیت الامت (جہدومی منزل) کی وسعت مسلمانوں کی عظیم الشان مجمع کے لئے ناکافی

تھی بہ سالانہ جلسے کے دونوں اجلاس میں مسلمانوں نے مسائل حاضرہ پر کامل تدبّر و سنجیدگی کے ساتھ بحث کی اور ایک تعمیری نظام نامہ مرتب کیا۔ آئندہ سال کے لئے ہر طبقہ کی نمائندگی کا لحاظ کرتے ہوئے کابینہ دی گئی۔ جلسہ سالانہ کے صدر ابوالحسن سید علی صاحب معتمد منتخب کئے گئے۔ مولوی صاحب موصوف ملک کے ایک سنجیدہ مفکر اور صاحب تدبر ایڈوکیٹ ہیں۔ اپنی حکمت عملی اور اصابت رائے کی وجہ شہر کے تمام مکاتیب خیال میں اپنا ایک خاص وزن رکھتے ہیں اس انتخاب نے بلاشبہ مجلس کے وقار میں چار چاند لگا دئیے۔ آپ نے مجلس کی معتمدی کا منصب ایسے نازک وقت پر قبول فرمایا جب کہ حکومت نے مجلس کو فرقہ وارانہ ادارہ قرار دے کر ملازمین سرکار کو شرکت سے منع کر دیا تھا۔ حکومت کا ہر مسلمان ملازم مجلس اتحاد المسلمین کو اپنے لئے شجر ممنوعہ متصور کرنے لگا۔ ملک کے افراد حکومت کے نزدیک اپنے امتیاز، اثر و رسوخ کو برقرار رکھنے کے لئے مجلس سے کامل علیحدگی اختیار کر لی۔ مولوی صاحب موصوف نے اپنی معاشی زندگی کے فروغ کو علانیہ خطرے میں محسوس کرتے ہوئے مخلصانہ جذبات کے ساتھ اپنے آپ کو ایک سچے خادم ملّت کی حیثیت سے پیش کر دیا۔ جو ایثار اور ملی ہمدردی کی ایک غیر معمولی مثال ہے۔

توقع تھی کہ جدید کابینہ سال بھر دلجمعی کے ساتھ مسلمانوں کے تعمیری امور کی تکمیل میں مصروف رہے گی لیکن ملک کے حالات نے مجلس کو سیاسیات کی وادیٔ پُرخار میں قدم رکھنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ سال بھر کی عرض مدت میں نفاذ اصلاحات کے سلسلہ میں مجلس کو سیاسی میدان جنگ میں سینہ سپر ہونا پڑا۔

دانشمند سپاہیوں کی ایک مختصر سی جماعت نے اپنے صاحب تدبیر سپہ سالار نواب بہادر یار جنگ بہادر کی قیادت میں انتہائی خلوص کے ساتھ پامردی کا ثبوت دیا اور بڑے سے بڑے ایثار کے لئے بھی دریغ نہ کیا۔ سالار عسکر کو بیک وقت کئی محاذ سے سابقہ تھا۔ ایک طرف نادان دوست اور دانا دشمن صف آرا تھے۔ دوسری طرف مسلح حربیت۔ اور دوست نما دشمن کے معاندانہ حربوں کا مقابلہ تھا۔ تیسری طرف حکومت کے آگے جو بہر حال اسلامی حکومت ہے رد ایاتی اطاعت کے ساتھ اپنے جائز حقوق کا مطالبہ پیش کرنا تھا۔ چوتھی جانب اپنی جماعت کے نزدیک صیانت حقوق اور اس کی جوابدہی کا بار گراں شاق پر محسوس ہو رہا تھا۔ ابتلاء اور آزمائش کی ایک کٹھن منزل تھی جہاں ملت اسلامیہ دکن کے ننھے لشکر کا تنہا سالار ایمان راسخ اور عمل مسلسل کے حصن حصین میں بیٹھ کر یکہ و تنہا مقابلہ کر رہا تھا۔ غالباً ایسے ہی نبرد آزماؤں کے لئے خدا کی نصرت آسمان کی بلندیوں سے نازل ہوتی ہے۔ چنانچہ خدائے مسبب نے اس دردمندی کی مخلصانہ سرگرمیوں کا صلہ عطا فرمایا۔ ع

"شکر نعمت ہائے او چنداں کہ نعمت ہائے او"

اب اس امر کی تفصیل کہ اس جہاد میں کہاں تک کامیابی ہوئی صرف مجلس کے ارباب اقتدار کو حق پہنچتا ہے کہ وہ موزوں اور صحیح وقت پر عوام کو نتائج سے مطلع کریں لیکن اس قدر عرض کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ ناواقف کاروں اور ظاہر بینوں کو میدان سیاست کے اس معرکہ کی اہمیت کا پورا پورا احساس نہ ہو۔ لیکن جن دوررس نگاہوں نے اس کو قریب سے پرکھنے کی کوشش کی ہے اس حقیقت

سے انکار کر سکتیں کہ دوران جہاد میں ملت اسلامیہ دکن کی سیاسی برتری کی تاریخ مرتب ہو رہی تھی۔

دکن میں ہندو مسلم کشیدگی کے حقیقی اسباب

قائدین ملت کی مساعی مشکور ہو رہی ہیں۔ عامۃ المسلمین میں مرکزیت کے ساتھ ساتھ بیداری پیدا ہوتی جاری ہے۔ مسلم نوجوانوں میں سیاسی شعور زندہ ہو رہا ہے اور اس کے دوش بدوش قدرتی قانون کے موجب مخالفت طاقتیں بھی وجود میں آنے لگی ہیں۔ باطل قوتیں تعمیر خواہش سے آزاد ہو کر تخریب حریف کی طرف مائل ہیں۔ ہندو مسلم دو ہمسایہ قومیں جو سرزمین دکن پر گزشتہ سینکڑوں سال سے باہمی رواداری کے ساتھ زندگی بسر کرتی رہی ہیں۔ بیرونی مفسدہ پرداز کی بے پناہ ریشہ دوانیوں کا شکار بن گئیں جنھوں نے ان کی باہمی صلح و آشتی کو تاراج کر ڈالا۔ اور ملک فرقہ وارانہ تصادم اور ہنگاموں کی آماجگاہ بن گیا۔ جانبین میں غم و غصہ نفرت و حقارت کے جذبات تیز ہونے لگے! اور بالآخر ملک کی دو بڑی اور اہم جماعتوں کے مابین تعصب و عداوت کی خلیج حائل ہو گئی۔

یہاں اجمالاً اس صورت حال کی توضیح بے محل نہ ہو گی جو ہندو مسلم جماعتوں کی خلیج عداوت کو وسیع تر کرنے کا باعث ہوئی۔

برطانوی ہند میں صوبہ وار خود مختاری کے نفاذ کے بعد کانگریس نے جس کی ہیئت ترکیبی سے اب ساری دنیا واقف ہو چکی ہے۔ ہندوستان میں ہندو راج کے قیام کا خواب دیکھنا شروع کیا اور اس خواب شیریں کی تعبیر حاصل کرنے کے لئے

عملی جد و جہد شروع کر دی گئی۔

یہ حقیقت روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ کانگریس اپنے وجود کی تاریخ سے ریاستوں کے معاملات میں عدم مداخلت کے اصول حمایت کرتی رہی لیکن ہری پور اجلاس کے انعقاد تک صوبہ دار خود مختاری نے چونکہ اس کے بازو قوی کر دئے تھے کانگریس نے غیر آئینی طریقہ پر ریاستوں میں مداخلت کی پالیسی اختیار کرنی شروع کر دی مرکزی ادارہ کی حیثیت سے کانگریس کی تائید و حمایت پر مختلف ہندو اداروں نے ریاستی حکومتوں کے خلاف ایجیٹیشن شروع کر دیا۔ اور ریاستوں کیا اس کی نوعیت خواہ کچھ کیوں نہ ہو مملکت آصفیہ کے حدود میں آریا سماجی جماعت کو آلۂ کار بنا کر " مذہبی آزادی " کے پردے میں سیاسی اقتدار کے حصول کا راگ الاپا جانے لگا اور ایک کھلے حریف مقابل کی طرح مذہب و سیاست کے دو دھاری حربہ سے اسلامی ریاست کی عدیم النظیر روادارانہ خصوصیات کو مجروح کرنا شروع کر دیا۔ برطانوی ہند کے طول و عرض میں غلط پروپگنڈا کے ذریعے زہر اگلا گیا کہ " نظام کی اسلامی حکومت میں ہندو دھرم کو آزادی نصیب نہیں ہے ہندو جاتی کو شہری حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے " ان بے سرو پا الزامات کی اس کثرت کے ساتھ تشہیر و اشاعت کی گئی کہ برطانوی ہند کے مسلم اور غیر مسلم سنجیدہ اکابر بھی آصفی مظالم کے ان مفروضہ افسانوں کو سن کر انگشت بہ دنداں رہ گئے۔ ادھر ہر نقطۂ خیال کے جرائد میں حکومت کی نشدد آمیز پالیسی پر اظہار افسوس کیا جانے لگا اس رسوا کن عمل کے خلاف حکومت کی طرف سے بھی جوابی کارروائی میں غیر معمولی تساہل برتا گیا۔ جوں جوں دشمن کا قوی حملہ ہوتا رہا حکومت اپنے

خلاف غیروں کی تنقید سے رفع غلط فہمی پر آمادگی کے بجائے سمجھنے لگی۔

حق کی حمایت

اس موقعہ پر اتحاد المسلمین نے اپنا فرض محسوس کیا اور کامل احساس دردمندی کے ساتھ اسلامی حکومت کے خلاف اس افتراپردازی کے انسداد کا عزم کیا۔ مولوی فضل حسین صاحب وکیل ہائیکورٹ کی قیادت میں ایک وفد جو ارکان مجلس عاملہ کے ممتاز اراکین پر مشتمل تھا۔ برطانوی ہند کے دورے پر روانہ کیا گیا تاکہ اسلامی حکومت کے خلاف آریہ سماجی غلط بیانوں کی تردید کرے۔ حقائق سے ذمہ دار افراد اور ادارہ جات کو روشناس کرائے۔ تقریباً دو مہینے کے طویل دورہ کے بعد وفد فائز المرام واپس آیا۔ اور خود حیدرآباد میں مجلس نے حکومت کو اس کے ایک سچے خیر خواہ کی حیثیت سے مشورے دئے اور ملک میں دہشت انگیزی، امن سوزی کی جو ناپاک مساعی اختیار کی گئی تھیں ان کے واقعی تدارک کی جانب متوجہ کیا۔ اگرچہ کہ بیرون خانہ مجلس نے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرلی لیکن دور دراز اس کی مساعی نتیجہ خیز ثابت نہ ہوسکیں۔ آریہ سماجی ادارے اپنی معاندانہ کارروائیوں میں برابر مصروف رہے اور شہر عافیت سوز اور امن شکن ہنگاموں کا شکار ہوتا رہا۔ لیکن حکومت نے مدافعت میں اپنے دست آہنی کی قوت دکھانے کے بجائے غیر معمولی شفقت سے دشمن کے دل بڑھائے حتیٰ کہ اس کی ذہنیت کے دلیل بودوں سے متاثر ہوکر ایک سے زیادہ دفعہ اصطلاحات کی صورت میں مطالبات کی تکمیل

کا وعدہ کر لیا۔ اور عملاً ثابت کر دیا کہ حکومت آصفیہ کوئی اسلامی حکومت نہیں بلکہ ایک ایسی قومی حکومت ہے جس کے نزدیک مسلم طبقہ سے زیادہ ہندو طبقہ کی خاطر منظور ہے۔ یہی وقت تھا جب کہ مجلس اتحاد المسلمین کا پیمانۂ صبر و شکیب لبریز ہو گیا اور اسلامی حکومت کے شش صد سالہ وقار و اقتدار کو حالتِ نزع میں دیکھ کر اس کی بقاء و قیام کے لئے کمربستہ ہو گئی۔ اب مجلس پر دوگونہ فرائض کی ذمہ داری کا بار تھا۔ ایک جانب حکومت کو اس کے سچے مشیر کی حیثیت سے آصفی تخت و تاج کے وقار و اقتدار کی حفاظت کا مشورہ دیا اور دوسری جانب ملّت اسلامیہ کے اس منصب کی صیانت میں ساری قوت صرف کر دی جو ایک فاتح قوم اور گزشتہ چھ سو سال سے حکومت کا دستِ راست ہونے کی حیثیت سے اس کا حق ہے۔

اس موقعہ پر ایک غیر جانبدار کے ذہن میں فطرتاً دونوں جماعتوں کی نسبت یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ مجلس اتحاد المسلمین کی جد و جہد اور ہندو برادری کی ہنگامہ پروری آیا مبنی بہ صداقت تصور کی جا سکتی ہے یا محض ناجائز طریقہ پر ملک میں شورش و ہنگامہ کے ذریعہ یہ جماعتیں اپنے اپنے اغراض کی تکمیل کرنا چاہتی ہیں۔ (دلیل کے لئے ہم صرف ان واقعات کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں جن سے خود بخود اخذ کیا جا سکتا ہے۔

ہندو ہنگاموں کے پیچھے مذہبی علوم آزادی کی شکایت تھی۔ لیکن جگت گرو شنکر آچاریہ کی حیدرآباد کے طول و عرض میں آزاد تحقیقات اور نتیجتہً ان کے بے لاگ بیان کی اشاعت کے بعد آریہ سماجی بے بنیاد پروپگنڈہ کی حقیقت طشت ازبام ہو گئی اور عام طور پر محسوس کیا جانے لگا کہ مذہبی آزادی کے

اس پردہ میں سیاسی اقتدار کی تمنا بے چین ہے ۔جس کو حق بجانب کرنے میں ایک ہی استدلال پیش کیا جاتا ہے ۔ اور اس کو
"یعنے اکثریت حکومت کا حق ملنا چاہیئے" کے اجمال میں ادا کیا جاسکتا ہے

تاریخی حقائق کی روشنی میں اول اکثریت کا زعم ، زعم باطل کے سوا کچھ نہیں ۔تاریخی شہادتیں اس دعوے کی پوری قوت کے ساتھ نفی کرتی ہیں کہ دنیا میں کہیں کسی قوم نے صرف تعدادی اکثریت کی بناء پر حکومت کی ہو ۔ اس سے قطع نظر کسی ایسے ملک میں مختلف اقوام و ملل کا معجون مرکب ہو ۔ اور جن کے مابین ثقافتی ، لسانی اور مذہبی خدمت سے کوئی یکسانیت باہم آہنگی نہ پائی جاتی ہو ۔ان کو محض ایک جغرافی رقبہ میں رہنے کی وجہ سے متحدہ قومیت کے سانچے میں ڈھال کر جمہوریت کی ترویج میں سعی کرنا اصول جمہوریت سے ناواقفیت کی دلیل ہے ۔

کسی ملک میں جمہوریت کی کامیابی کے لئے ذیل کی شرائط بہت ضروری ہیں :-

(۱) مشترکہ تمدن ۔ معاشرتی مذہبی مقاصد کے علاوہ معاشی خیالات میں یکسانیت ۔

(۲) ہم آہنگ قوم میں صرف عملی سیاسی نظریہ میں اختلاف کی بناء پر اقلیت و اکثریت کا قیام ۔

(۳) اقلیت و اکثریت کی معاشی لائحہ عمل کی بناء پر تغیر پذیری ۔

ان ہی اصول کی بنیاد پر اسلام نے بھی جمہوریت کی تعلیم دی اور ایسی ہی

جمہوریت یورپ کے بعض ممالک میں کامیاب ہے۔

ان ٹھوس حقائق کے باوجود ہندو برادری کے اصول اکثریت کو تسلیم کرلیا جاسکتا ہے۔بشرطیکہ بلند بانگ دعوے میں اخلاص یا حقیقت کا کسی قدر شائبہ بھی پایا جائے۔ہندو جماعت شودوں اور اچھوتوں کو شامل کرکے اپنی اکثریت کا دعوی کرتی ہے جس کو ابتدائے شعور سے اس نے قومی جسد کے ایک گندہ ترین عضو کی طرح کاٹ کر الگ پھینک دیا۔جس سے اس نے معاشی اور معاشرتی تعلقات کا رشتہ منقطع کردیا۔اس کو دین اور علم کی نعمتوں سے حکماً اور مذہباً محروم کردیا۔جس کی روئداد تاریخ کی عمرانی پہلو کی بڑی دردناک سرگزشت ہے۔

اس بے زبان، کثیر تعداد خدا کی مخلوق کو الگ کرنے کے بعد ہندو جماعت عبارت ہے صرف چند لاکھ تعلیم یافتہ برہمنوں اور چند سو مہاجنوں کا جو باہمی سازش کے ذریعہ پوری جماعت پر مسلّط ہو چکنے کے بعد ہمسایہ اقوام سے اکثریت اور اقلیت کے نام پر سیاسی برتری حاصل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور اسی ذریعہ سے اونچی ذات کے ایک دو مخصوص طبقوں کا تمتع مطلوب ہے۔

ہندوستان اور دکن میں اسلامی دورِ حکومت سے قبل اعلیٰ ذات کے ہندوؤں نے نیچ ذاتوں کے مقابلہ میں استبداد، معاشی دستبرد اور معاشرتی مظالم کے جو تاریخی شاہکار پیش کئے ہیں وہ انسانیت کو لرزہ بر اندام کرنے کے لئے کافی ہیں۔پرتھوی راج کے عہد میں اچھوتوں اور نیچ ذاتوں کی زبوں حالی تاریخ کے اوراق سے محو نہیں کی گئی ہے۔بہمنی سلطنت کے قیام سے پہلے

دکن کی سرزمین کم و بیش (۲۰۰) چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہو چکی تھی۔ جہاں نظامِ حکومت کا کوئی دستور موجود نہ تھا۔ قانون نام تھا۔ راجہ صاحب کے برہمن مشیروں کی خود غرضانہ پالیسی کا جس نے رعایا کو بے رحمی کے ساتھ انسانی حقوق سے محروم کر دیا تھا۔ آج ہندوستان کے طول و عرض میں اسی ظالمانہ مسلک کے نام نہاد وارث پھر اسی حربہ کا اعادہ کرنا چاہتے ہیں۔ جو تاریخ انسانی کی سب سے زیادہ حیرتناک اور ظالمانہ شہنشاہیت (امپیریلیزم) کی مثال ہے۔

ان حقائق کے باوجود اگر سوال صرف حصول استبداد اور خود غرضی کا ہے تو ایک مخصوص جماعت کے اس مطالبۂ آزادی کو کس طرح حق بجانب تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ جس کی مستبدانہ روش ساری دنیا پر واضح ہو چکی ہے۔

اگر ہمارا یہ نقطۂ نظر خود النفات ہے تو یہ تسلیم کرنے میں تامل نہ ہونا چاہیے فرقہ پرستانہ اکثریت کی سیاسی برتری، آزادی اور حق رسی کی اصطلاحوں میں کوئی معنی نہیں پائے جاتے۔ البتہ سوال صرف کشمکش اور تنازع کا رہ جاتا ہے۔ جہاں اخلاقی اصول کی رہنمائی مفید نہیں ہوا کرتی اور منطقی دلائل دیدہ اپنی سپر ڈال دیتے ہیں، صرف قوت اور طاقت ہی کے حربے فیصلہ کن ثابت ہو سکتے ہیں۔

اس صورت حال کو حکومت کے ارباب حل و عقد پر واضح کرنے اور اپنے حق کو منوانے میں مجلس ابتداً ایک ضدی جماعت اور بالآخر حریف کی حیثیت سے حکومت کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی لیکن حق و صداقت کا نصب العین جس کو ایک دفعہ مسلمانوں کی رائے عامہ نے متعین کر کے مجلس کے سپرد کر دیا تھا۔

اس کے حصول میں مجلس کے قائد نواب بہادر یار جنگ بہادر نے اپنی ذاتی وجاہت، شخصی امتیازات کو خطرے میں ڈال کر جمہور مسلمین کی سپرد کردہ امانت کی پوری پوری حفاظت کی۔ تحریر، تقریر، گفتار، کردار، اصالت، وکالت، غرض جدوجہد اور عمل کا کوئی ذریعہ فروگزاشت نہیں کیا گیا۔ جو بالواسطہ یا بلاواسطہ حصولِ مقصد سے متعلق رہا ہو

ہندو مسلم مفاہمت

مجلس اتحاد المسلمین اپنی حریف جماعت کے سیاسی داؤ پیچ سے واقف ہو کر اور ان کی نیتوں کا صحیح اندازہ کر کے بطور مدافعت اگرچہ کہ مسلم حقوق کی حفاظت کا کام کر رہی تھی۔ لیکن مجلس نے کبھی ہندوؤں کے ساتھ ایک باعزت سمجھوتہ کرنے میں کبھی پہلو تہی نہ کیا۔

مجلس اصلاحات کا تقرر

حیدرآبادی قوم پرست طبقہ کے رُوحِ رواں میر اکبر علی خاں بیرسٹر کی کوشش سے نواب بہادر یار جنگ بہادر نے مشترکہ پلیٹ فارم کی دعوت تعمیر پر لبیک کہی اور عامۃ المسلمین سے خط اعتماد حاصل کر کے پورے اخلاص کے ساتھ حصولِ مفاہمت کی کوشش کی۔ ہندو قائدین کے ساتھ مسلسل ہم نشستوں میں شرائط مفاہمت تقریباً طے ہو چکے تھے اور متفقہ فیصلے کی حیثیت سے حکومت کے سامنے پیش کئے جانے والے تھے کہ سر صدر اعظم بہادر نے آبان ۱۳۴۶ف کو مجلس اصلاحات کے تقرر کا اعلان فرمایا۔ اس اعلان نے باہمی مفاہمت کی نہ صرف قیمت گھٹا دی بلکہ ملک میں خالص فرقہ وارانہ مسابقت، تعصب اور

منافطرت کے جذبات کی پرورش کا نہایت ہی موزوں ماحول پیدا کر دیا۔

کمیٹی کی تشکیل اگرچہ کہ فرقہ دارانہ نیابت پر عمل میں آئی تھی۔ لیکن حکومت کے نامزد شدہ مسلم ارکان کو عامۃ المسلمین کا کوئی اعتماد حاصل نہ تھا۔ مجلس اتحاد المسلمین نے اپنے حقوق کے متعلق نہایت مبسوط اور مدلل یادداشت کمیٹی میں پیش کی اور ملک کے حالات کی مناسبت سے مشورے دیئے اور کمیٹی کو ان کے تمام حقائق سے آگاہ کیا جن کی روشنی میں ایک اچھے دستور کی تدوین ممکن ہو سکتی تھی۔ مجلس حصول مقصد کے صرف اسی ایک ذریعہ پر قانع نہ ہوئی بلکہ اس نے جد و جہد کے ہر اس آئینی پہلو کو اختیار کیا جس کے ذریعہ اسلامی ریاست کے وقار اور مسلم حقوق کی ضمانت کا مقصد حاصل ہو سکتا تھا۔

مفاہمت کی دوسری کوشش

اسی اثنا میں قوم پرست طبقہ کے بعض افراد کی کوشش سے دوبارہ گفتگوئے مفاہمت کی سلسلہ جنبانی ہوئی۔ ہندو جماعت کی نیابت کا فرض مسٹر نرسنگ راؤ نے ادا کیا۔ مسلم طبقہ کی طرف سے نواب بہادر یار جنگ بہادر کی قیادت تو بہرحال مسلمہ تھی۔ لیکن راؤ صاحب کی نمائندہ حیثیت البتہ توثیق طلب تھی۔ ابتداءً اپنی جماعت سے مسٹر موصوف کو خط اعتماد حاصل کرنے میں بڑی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا جس کی وجہ گفتگوئے مصالحت کی ناکامی کا اندیشہ پیدا ہو چکا تھا۔ لیکن بالآخر پوری کوشش کے ساتھ اپنی جماعت کے تمام مکاتیب خیال کو مطمئن کر کے مسٹر نرسنگ راؤ نے خط اعتماد حاصل کیا۔ گفتگو اپنے ابتدائی مراحل میں بہ حیثیت مجموعی بہت کامیاب اور امید افزا رہی۔ لیکن حکومت کی نوعیت کے مسئلہ پر جانبین کا

اصرار، شدت اور بالآخر انقطاع گفتگو پر منتج ہوا جیسا کہ شائع شدہ مکتوبات سے ظاہر ہوتا ہے۔ مسٹر نرسنگ راؤ کا مطالبہ تھا کہ ذمہ دارانہ حکومت کو بعید نصب العین کی حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے۔ لیکن نواب صاحب کو اس نقطہ پر بحث ہے کہ گفتگو کی پہلی منزل میں طے ہو چکا تھا کہ موجودہ طریق حکومت کی تبدیلی کا نہ تو کوئی مطالبہ کیا جائے گا اور نہ مستقبل کے لئے کوئی شرط یا پابندی عائد ہو سکے گی۔

انقطاع گفتگو کے بعد

اگر گفتگوئے مفاہمت کامیاب ہو جاتی۔ تو شاید حکومت کے لئے بھی طے شدہ مسائل قابلِ قبول ہو سکتے۔ ممکن تھا کہ مقرر کردہ مجلس اصلاحات تحلیل کر دی جاتی اور حکومت جو مفاہمت کے منظورہ نتائج کا بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہی تھی توثیق کر کے ان کے مطابق دستور جدید نافذ کر دیتی۔ لیکن فطرت کے قانون نے اجازت نہ دی کہ سیاسیات کی سرگرمی عجلت اور سکون کے ساتھ ٹھکانے لگے۔ صاحبانِ عزم اور مردانِ دلیر کے دعوے کی صداقت پرکھنے کے لئے قدرت کو امتحان مقصود تھا دعویداروں کو ایثار و قربانی کی منزل سے گزرنا تھا۔ چنانچہ گفتگو کے اس تعطل کے بعد آریہ سماجی فتنے آندھی کی طرح اٹھنے لگے۔ تنظیم و قوت کے مظاہرے سیلاب کی طرح منظر عام پر آنے لگے۔ آریہ سماجی، مہاسبھائی اداروں اور ہندو سیول لبرٹیز یونین جیسی جماعتوں کے ساتھ ساتھ اسٹیٹ کانگریس بھی وجود میں آئی، اور ان خالص فرقہ وارانہ اداروں کے دوش بدوش اس نام نہاد قومی جماعت نے گفتگوئے مفاہمت کے دوران ہی میں ستیہ گرہ شروع کر دی۔ جامعہ کی پُرسکون علمی فضاء میں جہاں ہونہار طلبہ کو فرقہ وارانہ سیاسیات کے جراثیم سے محفوظ رکھنے کی کوشش

کی جاتی ہے۔ بالارادہ ہندو طلبہ کو بندے ماترم کا فتنہ کھڑا کیا گیا۔ ستیہ گرہ اور سیول نافرمانی کی مہم آغاز کی گئی۔ فرقہ دارانہ ہنگاموں کا بازار گرم ہونے لگا۔ ہم پیشہ بیسیوں بندگانِ خدا کو ناحق ضرر پہنچایا گیا تاکہ حکومت متاثر ہو کر فوراً ان کے نام پروانۂ حریت تحریر کر دے۔

دھول پیٹھ کا فساد

فرقہ دارانہ مقاصد کے اصول میں یہ غیر آئینی جد و جہد اور اس کے مقابلہ میں حکومت کا ثبوت بے محل ایک ایسا اشتعال تھا جس نے مسلمانوں کے جذبات کو ناگوار حد تک برانگیختہ کر دیا۔ فرقہ وارانہ فسادات کی ہما ہمی نے اس مجاہد قوم کے افراد کو ایک بھلا ہوا درس جہاد یاد دلا دیا۔ اور ان دیوانوں کے لئے ہو کا ایک اشارہ سارے شہر کو میدان کارزار بنانے کے لئے کافی تھا۔ دھول پیٹھ کے قیامت زا ہنگامہ میں حت ئد ملت کے ایک عزیز کی شہادت کے الم انگیز حادثے نے مسلمانانِ حیدرآباد میں عموماً اور افغانوں کے طبقہ میں خصوصاً انتقام کی آگ بھڑکا دی سارے مسلمانوں کو مجلس اتحاد المسلمین کے حکم کا انتظار تھا۔ مجلس نے اس نازک وقت پر انتہائی حلم و تحمل کا ثبوت دیا۔

قائد ملت نے مسلمانوں کے برانگیختہ جذبات کو کمالِ دانشمندی کے ساتھ قابو میں کر لیا۔ چنانچہ فساد و ہنگامہ ہی کے دوران میں حکومت نے قائد موصوف کے اس عظیم الشان کارنامہ کا اپنے ابلاغیہ میں اعتراف فرمایا ہے۔

ایک طرف ہندو طبقے کی ایک مقررہ اور تنخواہ یاب جماعت راست عمل

کے سارے فرائض انجام دے رہی تھی۔ بیرونی مسلح جتھے شہر میں برابر داخل ہو رہے تھے۔ اور دوسری طرف برطانوی ہند کے ہندو قائدین تحریر کے ذریعہ اور بالمشافہ خالص فرقہ وارانہ نقطہ نظر سے اصلاحات کا خاکہ مرتب کرنے میں دخیل ہو رہے تھے۔ اور وقتاً فوقتاً اس مداخلت کے نتائج جرائد کے ذریعے منظر عام پہ آتے رہے۔ جس سے اس طبقہ کے ساتھ حکومت کی روش کا پورا پورا اندازہ ہو رہا تھا۔

مسلم روش

باعتبار ریاست اسلامی مملکت آصفیہ سے مسلم ہندوستان کی عقیدت و تعلق سے کبھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ریاست کے طول و عرض میں اس سیاسی خلفشار سے متاثر ہو کر ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے مسلمانوں نے مجلس کے لئے رضاکارانہ خدمات پیش کیں۔ حکومت کی پریشانیوں میں اضافہ کرنے کے لئے مجلس مسلمانان ہند کے تعاون سے نہایت آسانی کے ساتھ راست عمل کا ایک متوازی محاذ تیار کر سکتی تھی۔ لیکن اس نے صرف خدا کی نصرت پر نظر رکھی۔ اور اپنی قوت پر بھروسہ کیا۔ اور بیرونی اعانت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مسلم لیگ پٹنہ کے اجلاس میں مولوی ابوالحسن سید علی ایڈوکیٹ معتمد صدر مجلس نے ممتاز اکابر ہند کے خصوصی اجتماع کے سامنے غیر مبہم الفاظ میں اس نقطہ نظر کی وضاحت فرمائی کہ حیدرآبادی اپنے قضیوں کو آپ بہتر طریقہ پر فیصل کر سکتے ہیں۔ اندرونی معاملات کو سلجھانے میں مسلمانان دکن کا وقار اور جذبۂ خودداری بیرونی اعانت کو کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔ غرض کہ مجلس نے بے ضرورت شورش سے ہمیشہ اجتناب کیا۔ اور حصول مقصد میں تخریبی ذرائع کے استعمال کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔ لیکن حالات کی نوعیت اور حکومت کے منشاء سے ہمیشہ

باخبر رہنے کی کوشش کی۔ ہندو جماعت کے اس شدید اصرار پر جو غیر آئینی طریقہ عمل کا حامل تھا۔ حکومت نے نفاذ اصلاحات کی نسبت اپنے غیر معین ارادے کو معین کردیا۔ وقتاً فوقتاً اس کے اعلان کی تواریخ کا تعین کیا جانے لگا۔ یہ دور بلاشبہ مسلمانان دکن کی آزمائش کا وقت تھا۔ چنانچہ مجلس نے حکومت کے طرز عمل پر سخت نکتہ چینی شروع کی لیکن اس کی یہ تنقید کبھی اوروں کے راستے میں رکاوٹ ثابت نہ ہوئی۔ بلکہ اس سے اپنے مفاد کی حفاظت میں سپر کا کام لیا جاتا رہا۔

تحریک التواء اور اس کی حمایت

آئنگار کمیٹی کے تقرر کے بعد ملک کی فضا بے اعتمادی، شکوک اور شبہات سے مملو ہو چکی تھی۔ جدوجہد کی فرقہ وارانہ گرمجوشیوں نے ہر طبقہ میں حکومت کی طرف سے اندیشے پیدا کردئے تھے۔ اور خصوصیت کے ساتھ مجلس اتحاد المسلمین کے شبہات کو تقویت اس طرح پہونچی کہ حکومت نے اصلاحات کی تدوین سے قبل کمیٹی کی سفارشات کی اشاعت سے انکار کردیا۔ اس لئے مسلمانوں کو یہ گمان کرنے کے کافی وجوہ پیدا ہو گئے۔ کہ مجوزہ اصلاحات ان کے مفاد کے یکسر خلاف ہیں۔ اتحاد المسلمین کی مجلس عامہ نے ۱۳؍اردی بہشت ۱۳۴۸ف کو اعلان اصلاحات کے التواء کی تجویز منظور کی جو ذیل کے تین اہم اجزاء پر مشتمل تھی۔

(۱) اصلاحات کی نسبت رائے عامہ طلب کی جائے۔

(۲) موجودہ فضا اصلاحات کے لئے ناسازگار ہے لہذا اس کا اعلان ملتوی کردیا جائے۔

(۳) تاوقتیکہ مسلم حقوق کا تعین نہ ہو کمیٹی کی سفارشات تدوین اصلاحات کی

اساس قرار نہیں دی جا سکتی۔

گو التواء کی یہ تجویز چند قوم پرست افراد میں نامقبول رہی لیکن اس کی مذکورۂ بالا اہم تنقیحات کی بناء پر مجلس کی دانشمندی اور تدبر کا عام طور پر اعتراف کیا گیا حتیٰ کہ حکومت نے بھی چشم پوشی یا ابرو کے پنہاں اشاروں اور دبی زبان کی غیر محسوس حرکت سے تجویز کی معقولیت کا اعتراف کیا۔ امن و اتحاد کے عظیم الشان جلسہ میں جو مہاراجہ کشن پرشاد انجہانی کی اپیل پر اظہار تشکر کے لئے قوم پرستوں نے منعقد کیا تھا، نواب بہادر یار جنگ بہادر نے التواء کی تھی تجویز تشکر کے رزولیوشن کے ساتھ بطور اضافہ شریک کر کے پیش فرمائی تھی۔ جو صرف چار مخالف آراء کے مقابلہ میں کئی ہزار آراء کی موافقت سے منظور کر لی گئی اس حقیقت کے بعد تجویز کی حمایت میں کوئی دلیل پیش کرنا تحصیل حاصل ہو گا۔

مسلمانوں کی اس متفقہ آواز کے باوجود حکومت کی روش، اعلان اصلاحات اور مسلم مطالبات کے سلسلہ میں غیر اطمینان بخش رہی۔ جس سے باخبر مسلم حلقوں کے اندیشے زیادہ قوی ہو گئے۔ چنانچہ مجلس نے حکومت کے سامنے اپنی بے اطمینانی ظاہر کرنے کے لئے جماعتی مظاہرہ ترتیب دینے کا فیصلہ کر لیا لیکن حکومت نے فوراً غیر مبہم الفاظ میں ملک کے اہم طبقوں کے حقوق و مفاد اور امتیازات کے تحفظ کا یقین دلایا اور مجلس ہی کے حکم سے مسلمانوں نے مجوزہ مظاہرہ کو ملتوی کر دیا۔

اس اطمینان کے بعد آئینی طور پر اتمام حجت کے خیال سے ۱۹ اردی بہشت سنہ ۱۳۴۸ف کو مجلس کے ایک وفد نے جو ممتاز ارکان عاملہ پر مشتمل تھا۔ سرصدر اعظم بہادر کی خدمت عالی میں ایک یادداشت پیش کی جو ذیل کے آٹھ مطالبات پر مشتمل تھی۔

(۱) حیدرآباد کی حکومت کامل اقتدار بادشاہت ہو۔ جس پر ہمیشہ آصفی خاندان کا رکن متمکن رہے۔

(۲) وفاق میں حیدرآباد کی شرکت، سیاسی اقتدار، مالیاتی توازن اور معاشی ترقی کے تحفظ کی شرائط کے ساتھ مشروط ہو گی۔

(۳) دستور میں کوئی ایسی تبدیلی مسلمانانِ دکن کے لئے قابلِ قبول نہ ہو گی جس سے مسلم جماعت کی روایاتی سیاسی برتری متاثر ہو۔

الف۔ مقننہ اور مقامی حکومت خود اختیاری کی مجالس میں مسلمانوں کو آئینی اکثریت حاصل رہے۔

ب۔ مسلم نشستیں جداگانہ انتخاب کے ذریعہ پُر کی جائیں۔

ج۔ مذہب یا تہذیب سے متعلق کوئی مسودۂ قانون اس وقت تک قانون نہیں بن سکتا جب تک کہ اس فرقہ کے ارکان مقننہ کی تین چوتھائی تعداد اس کی موافقت میں رائے نہ دے۔

(۴) اردو سرکاری اور تعلیمی زبان ہو گی۔

(۵) ملازمت کو فرقہ واری تناسب کا مسئلہ نہ بنایا جائے کیونکہ مسلمانوں کے لئے یہ نہ صرف تاریخی اور سیاسی وقار ہے بلکہ ان کا معاشی مسئلہ بھی ہے۔

(۶) چونکہ بادشاہ کا مذہب اسلام ہے۔ اس لئے عہدۂ صدر الصدوری اپنی روایاتی خصوصیات کے ساتھ اعلیٰ حالہٖ قائم رہے اور مسلم اوقاف اور مسائل مذہبی کے انتظامات سے متعلق ایک آئینی مسلم ادارہ کو حکومت تسلیم کرلے۔

(۷) شہری آزادی ہر فرقہ کو عطا کی جائے بشرطیکہ اس کو ناجائز طریقہ پر استعمال نہ کیا جائے۔

(۸) زراعت، تجارت اور صنعت میں مسلمان نفی کے برابر ہیں۔ اس لئے ان کے دیگر وسائلِ معاش مہیا کئے جائیں۔

نواب بہادر یار جنگ بہادر نے ان واجبی مطالبات کو منوانے میں حکومت کے ارباب بست و کشاد سے گفتگو کا آغاز فرمایا۔ اس اہم فریضہ کی ادائی میں آپ نے متعلقہ مسائل کی نسبت مشورت اور باہمی تبادلۂ خیال کے ذریعے مختلف نقاطِ نظر سے واقفیت حاصل کی اور کامل تدبر کے ساتھ رائے عامہ کی نمائندگی فرمائی گویا لسان الامت ہونے کا حق ادا کر دیا۔ نمائندگی کے اس دوران میں اُمید و بیم اور رنج و مسرت کے متعدد دور آئے اور گزر گئے۔ لیکن قائد ملت کے پائے ثبات کو لغزش نہ ہوئی۔ ملک و ملت کے خادم صادق کی حیثیت سے نواب صاحب نے خدمت گزاری کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں فرمایا۔ اعیان حکومت کے ساتھ نرم و گرم گفتگو، پبلک تقاریر میں ان کی پالیسی پر تنقید، طویل تیز و تند تجاویز منظور کرنے کے سارے مرحلے طے کئے گئے۔ لیکن حکومت کے اس تصور کو بدلنے میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ جو ہند دفتنوں کی ہنگامہ خیزی نے پیدا کر دی تھی۔ اب صورت حال نے مسلم عوام میں حکومت کے خلاف سخت بدگمانیاں پیدا کر دی اور عدم اعتمادی کے طوفانی جذبات میں مجلس اتحاد المسلمین کو راست عمل کرنے پر مجبور کیا جانے لگا۔ نواب بہادر یار جنگ بہادر جنھیں خود بھی حکومت سے بڑی شکایت پیدا ہو گئی تھی۔ مسلسل دو تین ہفتوں تک

مکہ مسجد میں مسلمانوں کے کثیر مجمع کو مخاطب فرماتے رہے۔ وقت کی نزاکت کے لحاظ سے مناسب مشورے دیئے۔ جذبات کو روکنے کی کوشش کی اور صبر و اطمینان کے ساتھ کامیاب نتائج کا انتظار کرنے کی تلقین فرمائی اور حصول مقصد میں سعی پیہم کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ لیکن مسلم مطالبات کو حق بجانب تسلیم کرنے میں حکومت کا تامل بدستور باقی رہا۔ رائے عامہ میں سخت ہیجان شروع ہوگیا۔ اور بدگمانی انتک عوام کو حکومت سے پیدا ہوگئی تھی۔ اس کا رُخ فطرتاً مجلس اتحاد المسلمین کی جانب پھر گیا۔

موقع غنیمت پاکر اغیار کی مرکز گریز تدابیر کا مسلمانوں پر جال بچھ گیا۔ اور ان کی اجتماعیت کو خطرہ محسوس ہونے لگا۔ قوم پرست طبقہ نے اپنے دائرہ عمل کو وسیع کرنے کے لئے انجمن اتحاد و ترقی کی بنا ڈالی۔ اس کی تشکیل میں ممکن ہے کہ بانیان ادارہ کی نیک نیتی کو دخل ہو لیکن مسلم مرکزیت کے لئے اس کا وجود کسی طرح خطرہ سے خالی نہ تھا۔ المختصر ان تمام مخالف عناصر نے ان مختلف مکاتیبِ خیال کو جو محض جذباتی طور پر عارضاً مجلس کے ایماء کے بغیر حکومت کے خلاف مظاہرے ترتیب دیئے رائی کو پربت بنانے والوں نے اس امر کا صحافتی پروپگنڈا شروع کردیا کہ صدر مجلس اتحاد المسلمین جس کو جمہور مسلمین کا مرکزی ادارہ ہونے کا دعویٰ ہے مسلم عوام پر کوئی قابو نہیں رکھتی اس خیال کے حمایت میں مضامین لکھے گئے قائدین کے نام کھلی چٹھیاں شائع کی گئیں لیکن ان غیر سنجیدہ مساعی نے سنجیدہ حلقوں کو متاثر کرنے میں کامیابی حاصل نہ کی اور مسلمانوں کی مرکزیت پر یارے شکر کہ کوئی آنچ نہ آسکی۔

اعلانِ اصلاحات

ملک بے چینی اور اضطراب کے ایک ایسے مرحلے سے گذر رہا تھا جس کو دکن کی تاریخ کا نادر سیاسی دور کہا جا سکتا ہے ایک فرقہ آئینی ہنگاموں کی محنت سے تھک کر اپنی قوت جمع کرنے میں مصروف تھا دوسرے فرقہ کو حکومت مایوس کر کے ایسی تدابیر اختیار کرنے پر مجبور کر رہی تھی جس کے لئے وہ کبھی بطیب خاطر آمادہ نہ تھا۔ ایسی ناخوشگوار بلکہ مسموم فضا میں مجلس اصلاحات نے اپنی سفارشات حکومت کے سامنے پیش کر دیں۔ اور ان کی بنیاد پر حکومت نے ۱۲ شہریور ۱۳۴۸ف کو بالآخر اصلاحات کا اعلان کر دیا۔

کسی ملک میں اصلاحات کا نفاذ اہل ملک کے لئے اصولاً کبھی باعث تشویش نہیں ہوا کرتا۔ لیکن حیدرآباد میں آئینی اصلاحات کے اعلان میں جو عوامل محرک تھے ملک کے بہی خواہوں نے ایک سے زیادہ مرتبہ ان کی تشریح کر دی تھی جن میں سے واضح ترین حقیقت یہ ہے کہ ملک کی تشویش ناک حالت میں سکون کا انتظار اور ملک کے خصوصی روایات کے اعتبار سے اصلاحات کے نتائج اور ان کے شدید ردِ عمل کا اندازہ کئے بغیر حکومت نے مخالف کشمکش کے آگے سپر ڈالدی جو اس کے دو صد سالہ وقار تمکنت پر کاری ضرب ہے۔ جس کو صرف وہی جماعت محسوس کر سکتی ہے۔ جس نے دولتِ آصفیہ کے تاسیس اور تعمیر میں اپنا خون پسینہ ایک کر دیا تھا۔

ہندو برادری نے اعلانِ اصلاحات کے بعد سکون و اطمینان کا ایک طویل سانس لیا۔ حکومتی نقطۂ نظر کی اس وضاحت کے باوجود کہ رعایا کی سود و بہبود

کی خاطر اس کے مطالبہ کے بغیر جس طرح وہ آج تک ملکی ترقی واصلاح کی کوشش کرتی رہی ہے اسی طرح عصر حاضر کے ترقی پذیر رجحانات کا اندازہ کرکے دستور میں تبدیلی کا اعلان کیا ہے۔ ہندوؤں نے منطقی نتیجہ کے طور پر اعلان اصلاحات کو براہ راست اپنی مساعی کا نتیجہ قرار دیا۔ بلاشبہ دستور جدید کے اس خاکہ میں ہندو برادری کو بہت بڑی آئینی پوزیشن حاصل ہوگئی۔ ہرچند کہ اس میں کامل ذمہ دار حکومت تو نہیں لیکن ایسے دستوری امکانات پیدا کر دئیے گئے ہیں۔ جو بالآخر ذمہ دار حکومت پر منتج ہوسکیں۔ یہی وہ اعلیٰ مقاصد تھے جن کے حصول کے بعد آریہ سماجی اور دیگر ہندو نمائندہ مراکز میں فتح کے شادیانے بجنے لگے، تہنیت کے پیامات کا تبادلہ عمل میں آنے لگا، کارکنوں کی خدمات پر تشکر و امتنان کا اظہار کیا جانے لگا اور حکومت آصفیہ کی دانشمندی پر نعرہ ہائے تحسین بلند ہونے لگے۔

ہندو اخبارات نے اپنی جماعتی رائے کی اس طرح ترجمانی کی:۔

"اصلاحات کے اعلان کا سہرا آریہ سماج اور ہندو مہاسبھا کے مجاہدوں کے سر ہے جن کی کوششوں نے بالآخر کامیابی کو منزل سے قریب کر دیا۔"

ڈاکٹر مونجے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ایسا معلوم ہونے لگا ہے کہ ایک پہاڑ حرکت کرنے لگا ہے۔ رائٹ آنریبل قابل مبارک باد ہیں کہ انھوں نے حقیقت شناسی میں اور صورت حال کے حقیقی واقعات سمجھنے میں دقار کو سدِّ راہ نہ ہونے دیا۔"

ہم اپنی ہندو برادری کی اس مسرت میں پورے اخلاص کے ساتھ شریک ہیں اور ان کی کامیابی پر خواہ وہ حکومت کی عطا ہو یا خود ان کی جدوجہد کا نتیجہ،

مبارکباد دیتے ہیں۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اصلاحات کی تجاویز کے اعلان کے دن ہی سے مختلف حلقوں میں مباحث کا موضوع بنی رہیں۔ ملک کے ہر مفکر اور سیاسیات کے ہر طالب علم کے ذہن و دماغ میں تجسس اور تحقیق کا جذبہ اس حقیقت کی دریافت میں بے چین تھا۔ کہ دستور کے یہ مبادیات کس حد تک مسلم مطالبات کی تکمیل کر سکتے ہیں؟ لیکن کسی ذمہ دار اور صائب الرائے مسلمان یا رکن صدر مجلس اتحادالمسلمین نے اپنی انفرادی حیثیت میں اعلان کے حسن و قبح پر کسی رائے کا اظہار نہیں فرمایا۔ خود قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر نے صحافتی نمائندوں کے استفسار کے باوجود اظہار رائے کے حق کو صدر مجلس اتحادالمسلمین کے لئے محفوظ کر دیا۔

صدر مجلس عاملہ نے کامل غور و فکر کے بعد اصلاحات کی نسبت تجویز منظور کی کہ:۔

"اعلان اصلاحات کو صدر مجلس اتحادالمسلمین ملک کے لئے عموماً اور مسلمانوں کے لئے خصوصاً مضر اور غیر اطمینان بخش تصور کرتی ہے۔"

نواب بہادر یار جنگ بہادر نے مختصر سی تمہیدی تقریر کے بعد عاملہ کی تجویز ایک کثیر مجمع کو سنائی، جو مجلس کا فیصلہ معلوم کرنے کے لئے بے چین تھا اور ہزارہا کی تعداد میں بیت الامت (مہدی منزل) میں جمع ہو گیا تھا۔

مجلس کی یہ تجویز عامۃ المسلمین کے احساسات اور عام رجحانات کی نمائندگی کر رہی تھی۔ جس کی اشاعت نے مجلس کے ساتھ ان کے نقش اعتماد کو اور زیادہ گہرا کر دیا۔ ذیل میں اصلاحات کے بعض اہم خد و خال کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی

ہے تاکہ مجلس کی منظورہ تجویز کا حقائق کی روشنی میں مطالعہ کیا جاسکے :۔

(۱) اصلاحات کی پیش کردہ تجاویز اگرچہ کہ پہلی منزل میں ذمہ دار حکومت عطا نہیں کرتیں لیکن ایسی دستوری حکومت کی اساس قائم کرنے میں ممد ومعاون ہیں جن سے تدریجاً کامل ذمہ دار حکومت قائم ہوجائے جو حیدرآباد جیسے ملک کے لئے کبھی سازگار نہیں ہوسکتی۔

(۲) موازنہ شاہی پر بحث تنقید اور ضمنی سوالات کی دستوری اجازت جواب تک صرف شاہی اختیار منضور رہتا رہا۔ عوام میں اقتدار شاہی کی بتدریج منتقلی پر دلالت کرتی ہے۔

(۳) مسلمانوں کے مطالبہ کے مطابق صرف نظم ونسق میں تبدیلی کی بجائے تجاویز اصلاحات نے مسلم اقتدار کو جو آزاد بادشاہ کے تحت فرمانروا کی ذات میں مرتکز تھا۔ عوام کے اقتدار اعلیٰ میں منتقل کردیا۔ اور ذات شاہانہ کو اس کا نمائندہ قرار دیا جو مملکت آصفیہ کے قدیم اور روایاتی دستوری اساس میں انقلاب انگیز تبدیلی کے مترادف ہے۔

(۴) تجاویز میں مسلمانوں کے لئے مطلوبہ آئینی اکثریت تو کجا آئینی مساوات کا بھی امکان باقی نہیں رکھا گیا۔ مجلس مقننہ کے (۸۵) ارکان کے منجملہ (۲۱) نشستوں کو نامزدگی اور انتخاب کے ذریعہ ہندو مسلمانوں کو مساوی تعداد میں تقسیم کردیا گیا لیکن باقی (۱۳) ارکان کی جس اصول پر تکمیل کی گئی ہے اس سے لازماً مسلمان دوامی اقلیت میں آجاتے ہیں۔

(۵) انتخابات کے لئے مفادات کی ایسی نرالی اساس تجویز کی گئی ہے

جس سے مسلمانوں کا وجود حریف جماعت کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور مشترکہ یا مخلوط انتخاب اس امر پر مستزاد، جس سے قومی اندیشہ ہو گیا ہے کہ مقننہ میں صحیح مسلم نمائندگی نہ ہو سکے گی۔ اس اجمالی تجزیہ کے بعد یہ امر صاف پر منترشح ہوتا ہے۔ کہ اصلاحات میں ایک ایسے طبقے کے لئے فلاح و بہبود کی کوئی صورت موجود نہیں جسے مملکت آصفیہ میں گزشتہ کئی صدیوں سے سیاسی اقتدار اور برتری حاصل رہی ہے اور ایک ایسا طبقہ ہے جس کی ممتاز حیثیت کا خود اصلاحات میں اعتراف کیا گیا ہے۔ عوام کو آنے والے دستور جدید کے اُن مضرات سے واقف کرنا ضروری تھا۔ مجلس اتحاد المسلمین بازار نور الامراء نے وقت کی اس اہم ضرورت کو محسوس کیا۔ اور تشریح اصلاحات کے عنوان سے قائد ملت کی تقریروں کا وسیع پیمانہ پر انتظام کیا جس میں قائد محترم نے مسلسل تین روز تک دکن کی سیاسی تاریخ، دساتیر عالم اور معینہ تجاویز اصلاحات پر عام فہم انداز میں تین طویل تقریریں فرمائیں جن سے حیدرآباد اور اضلاع کی تعداد کثیر نے استفادہ کیا اور عوام کے سامنے اصلاحات کا گوشہ گوشہ واضح ہو گیا۔ مجلس بازار نور الامراء اس اہم خدمت کے بجا لانے میں مستحق شکریہ اور قابل مبارکباد ہے۔

تجاویز اصلاحات پر تنقید و تبصرہ کے ذریعہ تنہا مسلمانوں کا مفاد مجلس کے پیش نظر نہ تھا۔ بلکہ وہ دستور جدید کے اس دیباچہ کی اشاعت کو خود دولت آصفیہ کے وقار کے خلاف تصور کرتی تھی۔ مجلس کی اس مخالفت کو لسان الامت اور صدر مجلس کے ترجمانی نے بڑی وضاحت کے ساتھ تشریح اصلاحات کی تقریروں میں بیان فرمایا۔ جس کا ذیل کے فقروں میں اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

جس سے مسلمانوں کا وجود حریف جماعت کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور مشترکہ یا مخلوط انتخاب اس امر پر مستزاد، جس سے قومی اندیشہ ہوگیا ہے کہ مقننہ میں صحیح مسلم نمائندگی نہ ہو سکے گی۔ اس اجمالی تجزیہ کے بعد یہ امر صاف پر منترشح ہوتا ہے۔ کہ اصلاحات میں ایک ایسے طبقے کے لئے فلاح و بہبود کی کوئی صورت موجود نہیں جسے مملکت آصفیہ میں گزشتہ کئی صدیوں سے سیاسی اقتدار اور برتری حاصل رہی ہے اور ایک ایسا طبقہ ہے جس کی ممتاز حیثیت کا خود اصلاحات میں اعتراف کیا گیا ہے۔ عوام کو آنے والے دستور جدید کے اُن مضرات سے واقف کرنا ضروری تھا۔ مجلس اتحاد المسلمین بازار نور الامراء نے وقت کی اس اہم ضرورت کو محسوس کیا۔ اور تشریح اصلاحات کے عنوان سے قائد ملت کی تقریروں کا وسیع پیمانہ پر انتظام کیا جس میں قائد محترم نے مسلسل تین روز تک دکن کی سیاسی تاریخ، دساتیر عالم اور معینہ تجاویز اصلاحات پر عام فہم انداز میں تین طویل تقریریں فرمائیں جن سے حیدرآباد اور اضلاع کی تعداد کثیر نے استفادہ کیا اور عوام کے سامنے اصلاحات کا گوشہ گوشہ واضح ہوگیا۔ مجلس بازار نور الامراء اس اہم خدمت کے بجالانے میں مستحق شکریہ اور قابل مبارکباد ہے۔

تجاویز اصلاحات پر تنقید و تبصرہ کے ذریعہ تنہا مسلمانوں کا مفاد مجلس کے پیش نظر نہ تھا۔ بلکہ وہ دستور جدید کے اس دیباچہ کی اشاعت کو خود دولت آصفیہ کے وقار کے خلاف تصور کرتی تھی۔ مجلس کی اس مخالفت کو لسان الامت اور صدر مجلس کے ترجمانی نے بڑی وضاحت کے ساتھ تشریح اصلاحات کی تقریروں میں بیان فرمایا۔ جس کا ذیل کے فقروں میں اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

جس سے مسلمانوں کا وجود حریف جماعت کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور مشترکہ یا مخلوط انتخاب اس امر پر مستزاد، جس سے قومی اندیشہ ہوگیا ہے کہ مقننہ میں صحیح مسلم نمائندگی نہ ہو سکے گی۔ اس اجمالی تجزیہ کے بعد یہ امر صاف پر مترشح ہوتا ہے۔ کہ اصلاحات میں ایک ایسے طبقے کے لئے فلاح و بہبود کی کوئی صورت موجود نہیں جسے مملکت آصفیہ میں گزشتہ کئی صدیوں سے سیاسی اقتدار اور برتری حاصل رہی ہے اور ایک ایسا طبقہ ہے جس کی ممتاز حیثیت کا خود اصلاحات میں اعتراف کیا گیا ہے۔ عوام کو آنے والے دستور جدید کے اُن مضرات سے واقف کرنا ضروری تھا۔ مجلس اتحاد المسلمین بازار نور الامراء نے وقت کی اس اہم ضرورت کو محسوس کیا۔ اور تشریح اصلاحات کے عنوان سے قائد ملت کی تقریروں کا وسیع پیمانہ پر انتظام کیا جس میں قائد محترم نے مسلسل تین روز تک دکن کی سیاسی تاریخ، دساتیر عالم اور معینہ تجاویز اصلاحات پر عام فہم انداز میں تین طویل تقریریں فرمائیں جن سے حیدرآباد اور اضلاع کی تعداد کثیر نے استفادہ کیا اور عوام کے سامنے اصلاحات کا گوشہ گوشہ واضح ہوگیا۔ مجلس بازار نور الامراء اس اہم خدمت کے بجالانے میں مستحق تشکر یہ اور قابل مبارکباد ہے۔

تجاویز اصلاحات پر تنقید و تبصرہ کے ذریعہ تنہا مسلمانوں کا مفاد مجلس کے پیش نظر نہ تھا۔ بلکہ وہ دستور جدید کے اس دیباچہ کی اشاعت کو خود دولت آصفیہ کے وقار کے خلاف تصور کرتی تھی۔ مجلس کی اس مخالفت کو لسان الامت اور صدر مجلس کے ترجمانی نے بڑی وضاحت کے ساتھ تشریح اصلاحات کی تقریروں میں بیان فرمایا۔ جس کا ذیل کے فقروں میں اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

جس سے مسلمانوں کا وجود حریف جماعت کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور مشترکہ یا مخلوط انتخاب اس امر پر مستزاد، جس سے قومی اندیشہ ہوگیا ہے کہ مقننہ میں صحیح مسلم نمائندگی نہ ہو سکے گی۔ اس اجمالی تجزیہ کے بعد یہ امر صاف پر مترشح ہوتا ہے۔ کہ اصلاحات میں ایک ایسے طبقے کے لئے فلاح و بہبود کی کوئی صورت موجود نہیں جسے مملکت آصفیہ میں گزشتہ کئی صدیوں سے سیاسی اقتدار اور برتری حاصل رہی ہے اور ایک ایسا طبقہ ہے جس کی ممتاز حیثیت کا خود اصلاحات میں اعتراف کیا گیا ہے۔ عوام کو آنے والے دستور جدید کے اُن مضرات سے واقف کرنا ضروری تھا۔ مجلس اتحاد المسلمین بازار نور الامراء نے وقت کی اس اہم ضرورت کو محسوس کیا۔ اور تشریح اصلاحات کے عنوان سے قائد ملت کی تقریروں کا وسیع پیمانہ پر انتظام کیا جس میں قائد محترم نے مسلسل تین روز تک دکن کی سیاسی تاریخ، دساتیر عالم اور معینہ تجاویز اصلاحات پر عام فہم انداز میں تین طویل تقریریں فرمائیں جن سے حیدرآباد اور اضلاع کی تعداد کثیر نے استفادہ کیا اور عوام کے سامنے اصلاحات کا گوشہ گوشہ واضح ہوگیا۔ مجلس بازار نور الامراء اس اہم خدمت کے بجا لانے میں مستحق شکریہ اور قابل مبارکباد ہے۔

تجاویز اصلاحات پر تنقید و تبصرہ کے ذریعہ تنہا مسلمانوں کا مفاد مجلس کے پیش نظر نہ تھا۔ بلکہ وہ دستور جدید کے اس دیباچہ کی اشاعت کو خود دولت آصفیہ کے وقار کے خلاف تصوّر کرتی تھی۔ مجلس کی اس مخالفت کو لسان الامت اور صدر مجلس کے ترجمانی نے بڑی وضاحت کے ساتھ تشریح اصلاحات کی تقریروں میں بیان فرمایا۔ جس کا ذیل کے فقروں میں اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

جس سے مسلمانوں کا وجود حریف جماعت کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور مشترکہ یا مخلوط انتخاب اس امر پر مستزاد، جس سے قومی اندیشہ ہوگیا ہے کہ مقننہ میں صحیح مسلم نمائندگی نہ ہو سکے گی۔ اس اجمالی تجزیہ کے بعد یہ امر صاف پر مترشح ہوتا ہے۔ کہ اصلاحات میں ایک ایسے طبقے کے لئے فلاح و بہبود کی کوئی صورت موجود نہیں جسے مملکت آصفیہ میں گزشتہ کئی صدیوں سے سیاسی اقتدار اور برتری حاصل رہی ہے اور ایک ایسا طبقہ ہے جس کی ممتاز حیثیت کا خود اصلاحات میں اعتراف کیا گیا ہے۔ عوام کو آنے والے دستور جدید کے اُن مضرات سے واقف کرنا ضروری تھا۔ مجلس اتحاد المسلمین بازار نور الامراء نے وقت کی اس اہم ضرورت کو محسوس کیا۔ اور تشریح اصلاحات کے عنوان سے قائد ملت کی تقریروں کا وسیع پیمانہ پر انتظام کیا جس میں قائد محترم نے مسلسل تین روز تک دکن کی سیاسی تاریخ، دساتیر عالم اور معینہ تجاویز اصلاحات پر عام فہم انداز میں تین طویل تقریریں فرمایا جن سے حیدرآباد اور اضلاع کی تعداد کثیر نے استفادہ کیا اور عوام کے سامنے اصلاحات کا گوشہ گوشہ واضح ہوگیا۔ مجلس بازار نور الامراء اس اہم خدمت کے بجا لانے میں مستحق شکریہ اور قابل مبارکباد ہے۔

تجاویز اصلاحات پر تنقید و تبصرہ کے ذریعہ تنہا مسلمانوں کا مفاد مجلس کے پیش نظر نہ تھا۔ بلکہ وہ دستور جدید کے اس دیباچہ کی اشاعت کو خود دولت آصفیہ کے وقار کے خلاف تصور کرتی تھی۔ مجلس کی اس مخالفت کو لسان الامت اور صدر مجلس کے ترجمانی نے بڑی وضاحت کے ساتھ تشریح اصلاحات کی تقریروں میں بیان فرمایا۔ جس کا ذیل کے فقروں میں اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) ہندو جماعت کی دھمکیوں سے مرعوب ہو کر حکومت نے اصلاحات کا اعلان کرنے میں غیر معمولی عجلت سے کام لیا اس موقع پر ڈاکٹر مونجے کا ابتہاج بعید از قیاس نہ تھا کہ آصف جاہی عظمت و جلال کا ہمالیہ جس کو نادری سطوت و جبروت اپنی جگہ سے نہ ہلا سکا "ساورکر کی جے" کے نعروں سے ہلنے لگا۔

(۲) ہندو جماعت نے شہری اور مذہبی آزادی کے سلسلہ میں اپنے چند مطالبات پیش کئے تھے۔ لیکن حکومت کی یہ بڑی فیاضانہ عطا ہے کہ اس نے دستوری اصلاحات کا اعلان فرمادیا جس کا نہ کوئی مطالبہ کیا گیا تھا اور نہ وقت کا اقتضاء تھا۔

(۳) ملک کے لئے صرف اچھی اور بہتر حکومت مطلوب ہوا کرتی ہے جس کے لئے حکومت کی موجودہ مشنری و کل پرزوں میں ترمیم و اصلاح مناسب ہوتی ہے دستور جدید کے نفاذ کی قطعاً کوئی ضرورت محسوس نہیں کی جارہی تھی۔

(۴) حکومت ایک طرف ایسی جماعت کو منانے کی فکر میں سرگرداں ہے۔ جو صدفی صد حاصل کرنے کے بعد بھی اپنی وفاداری کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتی اور دوسری طرف وہ ایک ایسی جماعت کو مایوس کرنے پر تلی ہوئی ہے جو اسلامی حکومت کے وقار اور تحفظ کے لئے رضاکارانہ سر بکف میدان میں آنے کے لئے ہمیشہ آمادہ رہی ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔

ان اعتراضات کی حقیقت ہر چند مسلمہ سہی لیکن چونکہ اصلاحات دستوری کا اعلان ہو چکا تھا۔ اس لئے مجلس کی آئینی کارروائی اختیار کرنے کے سوا کوئی مفر نہ تھا۔ چنانچہ اپنے پیش کردہ سابقہ مطالبات کی روشنی میں اصلاحات کی

تجاویز پر مجلس عاملہ نے غور کیا اور دوبارہ حکومت کے سامنے اپنے مطالبات پیش کردئے تاکہ آخری دفعہ حکومت سے آئینی طریقہ پر تکمیل مطالبات کی درخواست کی جائے۔ لیکن عوام میں حکومت کے خلاف پھر بے اعتمادی پیدا ہوگئی۔ اور مجلس کے آئینی طریقۂ عمل پر سخت تنقیدی کی جانے لگی۔ اعلان اصلاحات کے بعد مسلمانوں نے اس سے ناراضامندی کا اظہار کیا۔ جامعۂ عثمانیہ کے مسلم طلبہ نے خاموش ہڑتال منائی۔ مسلم شہریوں کی ایک جماعت نے سیاہ پٹیاں لگائیں اور پُرامن جلوس تخت نبیٹے اور "شاہِ عثمان زندہ باد" "مسلم اقتدار پائندہ باد" کے نعروں سے شاہراہوں پر مظاہرہ کیا جانے لگا۔ ان ہی مظاہروں کے اثناء میں فرقہ وارانہ ہنگاموں کا سلسلہ شروع کردیا گیا اور اس طرح حکومت کی طرف سے داروگیر کی گرم بازاری شروع ہوئی۔

مجلس نے یہ معلوم کرکے ان جذباتی طریقوں سے مسلمان اپنی قوت کو ضائع کررہے ہیں فوراً مظاہروں کے خلاف تجویز منظور کی اور مسلمانوں سے اِستدعاء کی گئی کہ وہ مجلس کے استصواب اور حکم کے بغیر راست عمل اختیار کرنے میں ہرگز پہل نہ کریں۔ نواب بہادر یار جنگ بہادر نے نماز جمعہ کے بعد مکہ مسجد میں مسلمانوں کو مخاطب فرمایا۔ ان اصلاحات کے بعد فرقہ وارانہ ہنگاموں کی اصلیت اور حقیقت کو بے نقاب کرکے مسلمانوں کو احتیاط، آخربینی اور عاقبت اندیشی کا سبق دیا اور ہمرنگ زمین دام کے خطرات سے آگاہ فرمایا۔ اب مظاہرے ختم ہوگئے۔ فرقہ وارانہ ہنگامے بھی فرو کردئے گئے۔ اور مجلس پرسکون کے ساتھ اپنے فرض کی تکمیل میں مصروف ہوگئی۔

حکومت کے نمائندوں سے مُسلم قائد کی گفتگو کا سلسلہ برابر جاری رہا لیکن فریق اوّل کی تاخیر پسندی سے دوری مُنزل، ہر قدم پر نمایاں ہونے لگی جس سے تنگ آکر بالآخر مجلس نے ایک مہینے کی مدت کا تعین کر کے حکومت سے یکسوئی کی خواہش کی اور عدم تکمیل کی صُورت میں راست عمل اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اختتام مدت کے قریب حکومت کی جانب سے آثار صُلح نمایاں ہونے لگے۔ ۳۰ مہر ۱۳۴۷ف کو منعقدہ مجلس عاملہ نے بڑی ردّ و قدح کے بعد مزید ایک ماہ کی توسیع منظور کی۔ اور اس کے ساتھ ہی مجلس قائمہ کو مجاز گردانا کہ حصول مقصد میں ناکامی کی صورت میں بلا تاخیر راست عمل کی ہر تدبیر اختیار کرے لیکن یہ امر مسلمانوں کے لئے باعث تشکر و امتنان اور ملک، اہل ملک اور خود حکومت کے لئے باعث تہنیت ہے کہ اختتام مدّت سے قبل زیر بحث معاملات کی یکسوئی ہو گئی اور حکومت نے مُسلم مطالبات کے سلسلہ میں صدر مجلس اتحاد المسلمین کو مطمئن کر دیا جس کی تفصیلات سے جیسا کہ ہم نے ابتداہی سے ذکر دیا ہے۔ مناسب وقت پر عوام کو مطلع ہونے کا موقع ملے گا۔

ذات شاہانہ سے مجلس کی عقیدت مندی

ایک اسلامی مملکت میں جس سیاسی حیثیت سے مسلمانوں کو جس نازک حالات سے دوچار ہونا پڑا اس کی روئداد کا اجمال پچھلے صفحات پر آچکا ہے مجلس اتحاد المسلمین کی شکایت ارباب حکومت سے تھی اور اس کا ایقان تھا کہ معاملات کے اس نشیب و فراز کی کوئی معمولی ذمہ داری بھی حضور اقدس اعلیٰ کی ذات سے منسوب نہیں کی جاسکتی۔ مجلس نے مسلمانوں کو ہمیشہ سے حاکم قوم تصوّر کیا

اور مسلک کے طور پر اس کی اشاعت اور مسلمانوں میں اس عقیدہ کو شمکن کرنے کی کوشش کی کہ آصفی تخت و تاج اور مسلم عوام کا تعلق روح اور جسم کا ہے جو ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں قائد ملت نے اس تصور کو مجلس کے سیاسی عقیدے سے تعبیر فرمایا کہ حکومت آصفیہ کا اقتدار مسلم عوام میں مرکوز ہے اور اعلیٰ حضرت بندگان عالی مسلمانوں کے سیاسی اور تمدنی اقتدار کے مظہر ہیں۔ اس نظریہ یا عقیدے کے ثبوت میں حیدرآباد کی گزشتہ چھ سو سالہ تاریخ کو پیش کیا جا سکتا ہے جس کے تسلیم کرنے میں مخالفین کو بھی تامل نہیں ہو سکتا۔

راستہ کی رُکاوٹیں

مسلمانوں کو مر نقطۂ نظر سے عدم شعوری پستیوں سے نکال کر شعور کی جانب رہبری کرنے ان کے سیاسی اقتدار و حیثیت کو تسلیم کرانے احساس پستی کی ذہنیت کو دور کر کے احساس برتری پیدا کرنے اور حکومت سے ایک ایک کر کے اپنے مطالبات منوانے میں مجلس کو جن مشکلات سے دوچار ہونا پڑا اس کی داستان بہت طویل ہے۔

کسی ملت کو ابھارنے کے لئے دور حاضر میں تقریر اور تحریر کی قوتوں کو اولیت حاصل ہے یہی ذرائع رائے عامہ کی بوجوہ احسن تربیت کر سکتے ہیں۔ لیکن مجلس کے لئے وہ وقت بہت ہی صبر آزما تھا جب کہ دھول پیٹہ کی خونفشاں ہنگامہ کے بعد حکومت نے قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر کی تقاریر اور تبلیغی دوروں پر پابندی عائد کر دی۔ خطیب دکن اور لسان الامت پر اس پابندی نے ملت کو تربیت اور تعلیم کے بڑے ذریعہ سے محروم کر دیا۔ جس پر مسلمانوں نے مسلسل احتجاج جاری رکھا۔

جہاں تک تحریری ذرائع کا تعلق ہے مسلّمہ طور پر صحافت عوام کی تربیت کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ ملک کا کثیر الاشاعت روزنامہ رہبرِ دکن پورے اخلاص کے ساتھ مسلمانوں کے صحیح سیاسی عقائد کی ترجمانی میں پیش پیش تھا۔ کہ حکومت نے تین ہزار کی ضمانت طلب کر کے اس کے جذبۂ خدمت کی راہ میں بڑی دقت حائل کر دی۔ اس طرح اخبار صبحِ دکن کو ایک سے زیادہ دفعہ حکومت کی جانب سے متنبہ کیا گیا۔ اس کے بعد ملک کے محبوب ترین جریدۂ وقت کو حکومت نے اپنے اقتدار کا نشانہ بنایا۔ ایک ایسے زمانے میں جس کو سیاسی حیثیت سے مسلمانوں کے عبوری دور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جریدۂ وقت ملک کی بے لاگ خدمات انجام دے رہا تھا۔ مالی دقتوں کے باوجود وقت نے پیسہ اخبار کی حیثیت سے اہلِ ملک میں اخبار بینی کا صحیح ذوق پیدا کیا۔ اپنے صحافتی محاسن ایثار، زورِ قلم اور صداقت پرستی کے اعتبار سے ملک کے طول و عرض میں اس جریدہ کو قبولیتِ عام کی سند حاصل ہو چکی تھی۔ اعلان و اصلاحات کے بعد اس جریدہ نے ہندو مسلم جماعتوں کے نقاط کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا۔ اور اصلاحات کے ان تمام خدو خال کو نمایاں کیا جو ہر جماعت کی غور و فکر کے محتاج ہیں۔ خدمت کے اس صحیح جذبہ کو حکومت نے اپنی پالیسی کے خلاف پایا جس کی بنا پر اخبار حکماً مسدود کر دیا گیا۔ مجلس کے حکم سے احتجاجاً مسلمانوں نے ایک دن کے لئے ہڑتال منائی دوکانیں اور کاروبار بند کر دئے۔ مقامی مسلم جرائد نے اظہارِ رنج کے طور پر ضمیمے شائع کئے۔ بالآخر ذاتِ شاہانہ خسروِ دکن و برار کے حکم سے پھر اخبار وقت جاری ہو گیا۔

مجلس کو نقصان پہونچانے کے لئے کئی ادارے عالمِ وجود میں آئے اور

دوسری حیرت انگیز جو بات ہوئی وہ یہ کہ مجلس کے چند مارہائے آستین کی نامسعود نقل وحرکت کی وجہ مجلس کی اجتماعیت کو خطرہ لاحق ہوگیا تھا۔ یہ ایسے افراد تھے جو محض اپنے نام و نمود اور ذاتی وجاہت کے طلبگار تھے۔ بہت جلد ان افراد کی حقیقت جمہور کے آگے آشکار ہوگئی اور مسلمانوں نے ان کی دکھتی رگ معلوم کرلی اور اب اگرچہ کہ پوری طرح اس فتنہ کا ازالہ نہیں ہوا لیکن بڑی حد تک ان افراد کی ٹھربونگ باقی نہیں رہی۔

مجلس کا مالیات

مسلمانوں کے قومی ادارے کارکنوں کی قلت سے زیادہ مالیاتی کمزوری کے شکار ہو جاتے ہیں۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے ایثار کی مثالیں موجودہ زمانے میں افسانہ ہو کر رہ گئیں۔ ایثار صدیقؓ عثمانی بذل وسخا کے واقعات اب صرف ہماری شاعری کے عنوانات ہیں۔ عملاً مسلمانوں میں اس قسم کے جذبات تقریباً ناپید ہیں حیدرآباد میں مسلمانوں کے تمول کو ایشیا کے بڑے بڑے ممالک میں بھی ضرب المثل کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

۵ لاکھ کی اپیل

مجلس نے ایک سال تک اپنی ملت سے مالی اعانت کوئی درخواست نہیں کی لیکن دوسرے سال اس کی بڑھتی ہوئی مصروفیتوں نے مالی اعانت کی اپیل پر مجبور کردیا۔ جو عظیم الشان نظام العمل مجلس کے پیش نظر تھا۔ اس کے اقتضاء کے مطابق سترہ لاکھ مسلمانوں سے پانچ لاکھ روپیہ کی درخواست کی گئی۔ مسلمانوں کے متوسط طبقہ نے اس کی پابجائی کے سلسلہ میں ابھی کامل دلچسپی اور ایثار کا ثبوت دیا۔ بڑی بڑی مجالس میلاد میں چندہ جمع ہونے لگے بمقامی

شاخوں نے ٹکٹ کے ذریعہ زعماء ملت کی تقاریر کا انتظام کیا۔ مؤتمر مسلم نوجوانان نے میلادی مؤتمر کے ذریعہ دو ہزار روپے سے زائد رقوم مجلس کے لئے جمع کی۔ مشیر آباد کی ذیلی مجلس نے میلاد النبی کا عظیم الشان جلسہ منعقد کیا۔ اور مجلس کی اعانت کے لئے ٹکٹ مقرر کر کے بارہ سو کی رقمی امداد بہم پہنچائی۔ مجلس اتحاد المسلمین بازار نور الامراء نے تقریباً بارہ سو روپیے کی رقم جلسہ تشریح اصلاحات کے ذریعہ صدر مجلس کی خدمت میں پیش کی جیدر آباد اور اضلاع میں اجتماعی اور انفرادی طور پر رقم جمع کرنے کی کوشش مہینوں جاری رہیں۔

مولانا رضوی کا صدیقی ایثار

گلبرگہ شریف کے جلسہ سالانہ میں جو محترم معتمد صاحب صدر مجلس کی زیر صدارت منعقد ہوا تھا۔ مولوی محمد قاسم صاحب رضوی وکیل لاتور نے صدر مجلس نے تمام پوری جائداد اور اثاثہ وقف کر دیا۔ اس اللہ کے نیک بندے نے اپنے اہل وعیال کے لئے خدا اور رسولؐ کے سوا کچھ باقی نہ چھوڑا صدیقی ایثار کی یہ وہ عظیم الشان مثال ہے جو عہد صحابہؓ کے بعد سے اب تک بہت کم ملتی ہے۔

ملت اسلامیہ کے بعض اور اصحاب خیر نے اس جانب توجہ کی لیکن پانچ لاکھ روپیہ کی رقم خطیر کی پابجائی متوسط طبقہ سے ناممکن تھی۔ توقع بھی کی جارہی تھی کہ مسلمانوں کا متمول طبقہ اس کی جانب متوجہ ہو جائے گا لیکن یہ خواب ناآشنا تعبیر رہا۔ اور معینہ مدت کے اندر اس رقم کی تکمیل نہ ہو سکی۔ جس کی تمام تر ذمہ داری ملک کے متمول طبقہ پر عائد ہوتی ہے۔

خاتمہ

مجلس سیاسی جنگ سے فارغ ہو کر مسلمانوں کے تعمیری نظام العمل کی ترتیب کی طرف متوجہ ہوئی۔ سب سے پہلے اس نے مسلم بائنڈ و (؟)

کی سرپرستی کا عزم کیا۔ اور حیدرآباد میں تجارت گاہ قائم کی جو خدا کا شکر ہے کہ نہایت کامیابی کے ساتھ کام کر رہی ہے۔

تعمیری نظام نامہ کی وسیع پیمانہ پر ترتیب عمل میں آرہی ہے جو عنقریب مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

ملت اسلامیہ دکن قابل مبارک باد ہے کہ اس کی مرکزیت اور باہمی ربط و اتحاد کے قیام میں صدر مجلس اتحاد المسلمین کی سرپرستی حاصل ہے۔ جس کا قائدؔ صحیح معنی میں خادم کی حیثیت سے شبانہ روز نہایت اخلاص مندی کے ساتھ مصروف عمل ہے۔

قائدِ ملت کی قیادت میں مسلمانان دکن اسلامی خصوصیات کے ساتھ دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں۔

سیرت و کردار

جس کی زندگی کا نام دلیری، جس کا مقصدِ حیات قوم کی صحیح رہنمائی ہو، مشہور مُصلحِ قوم، تقریر کا دھنی۔ تحریر کا مالک، غریبوں کا محسن، دوسروں کی غلطیوں پر کڑھنے والا۔ ہزاروں مشکلوں پر غالب آنے والا، مردِ میدان، ہمیشہ اپنے اصولوں پر قائم رہنے والا، خدائے رحمٰن کے لطف و کرم کا دلی معتقد، مسرور، مومن، دوستوں کا شیدائی، دشمنوں کا دوست دار، مخالفت میں مفاہمت کا آرزو مند، عناد و فساد میں مصالحت کا نعرہ بلند کرنے والا، ملک و مالک کا حقیقی جاں نثار!

انجمنوں کی رُوحِ رواں، محفلوں کا چشم و چراغ، بیواؤں اور بینواؤں کا ہادی و ملجا۔ اس کی دولت سے ایک خشک دُنیا کی آبیاری، اس کے شجرِ محبت پر ہزاروں دردمندوں کی زندگیاں رواں!

دریا دل، خوش طبع، شریف دل امیر۔ صد ہزار آنکھوں کا تارا! مقرر، مدبر، منتظم، محبِ قوم و ملک۔ پروانۂ شمعِ آصفی۔

شکل و شمائل

نواب صاحب نہایت وجیہ، توانا اور قوی الجثہ ہیں۔ گورا چٹا نکھرا ہوا

رنگ، قد چھ فٹ، صورت سے وزراً افغانی معلوم ہوتے ہیں، بڑی بڑی اور چمکدار آنکھیں، مطالعہ کا ذوق عشق کی حد تک پہنچ چکا ہے۔ روز کے پروگرام میں مطالعہ کا وقت بھی شامل ہے۔ جس پر سختی سے پابند ہیں، زیادہ تر حیدرآبادی لباس زیب تن فرماتے ہیں۔ لوگوں سے بہت خلق اور تواضع سے پیش آتے ہیں۔ امیروں سے زیادہ غریبوں سے محبت کرتے ہیں، اُن کی تقریر کا تخاطب خصوصیت سے غریبوں کی طرف ہوتا ہے۔ اور جب وہ بلند آواز میں۔ اے میرے غریب بھائی کے نام سے غربا کو مخاطب کرتے ہیں تو غربا میں ایک مسرت و بیداری کی لہر دوڑ جاتی ہے اور وہ بھی اپنا تن من دھن سب کچھ اسلام کی خاطر قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

Private

22nd May

My dear R. G.

This is a memento for you that I am afraid it has no connection with your loyalty to the ruler & his state, as you are a devoted well-wisher

yours

(اعلیحضرت بندگانعالی کی تحریر مبارک کا عکس)

قائدِ ملت کو بارگاہِ خسروی سے سرفرازی

۲۴ دی ۱۳۵۲ ف

بارگاہِ خسروی سے ازراہِ عطوفتِ شاہانہ قائدِ ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر صدر مجلس اتحاد المسلمین کو ذات شاہانہ اور خانوادۂ آصفی کے ساتھ بے پناہ عقیدت مندی وکمال وفاداری پر گھنڈیوں کا سٹ عطا کیا گیا۔

اور حسب ذیل تحریر بھی عطا کی گئی۔

Private 22nd Nov: 41.

My dear B.Y.J.

This is a momento for you; but I am afraid it has no comparison with your loyalty to the ruler and his state, as you are a devoted well wisher.

(True Copy) Sd/- OSMAN ALI.

قائدِ ملّت کے متعلق ایک منجّم کی پیشین گوئی

از منجم کے۔ اے نارائن ائر مستقر ورنگل (دکن)

ولادت حیدرآباد مورخہ ۳ر فروری ۱۹۰۵ء مملکت حیدرآباد کی سیاست کے جزو لازم بلکہ بمنزلہ ستون ہیں جن اقتدار اور رسوخ میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے اور شہرت و مقبولیت کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔

نواب صاحب موصوف ایک بہادر اور سپہگر خاندان میں پیدا ہوئے ابتدائی زندگی نہایت اطمینان اور مسرت سے گزری چونکہ اپنے خاندان میں سب کو پیارے تھے لہذا والدین نے نہایت محبت اور شفقت سے پرورش کی اور پرورش پر دل کھول کر دولت نچھاور کی۔ آپ پیدائشی ذہین اور صاحب فراست ہیں کسی درسگاہ میں تعلیم حاصل کئے بغیر دنیا میں صرف چند ہی ایسے نامور علما گزرے ہیں جنھوں نے آپ جیسا بہتر علم حاصل کیا ہو۔ عمر کے ابتدائی (۲۰) سال ہی میں نواب صاحب کے دل میں اسلامی خدمت کی اُمنگ پیدا ہو چلی تھی۔ چنانچہ انھوں نے دور دراز مقامات کے سفر کئے اور اپنی فصیح اور بلیغ تقاریر سے لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لیا۔

نواب صاحب جس ملک میں گئے وہاں کی زبان۔ ادب سیاست کا گہرا مطالعہ کرنے میں ہمیشہ کوشاں رہے چنانچہ اس مطالعہ کی وجہ سے انھیں اپنے ملک کے میدان سیاست میں ایک بلند مقام اور اعلیٰ مرتبہ حاصل ہو گیا اور جس سے آج ممالک محروسہ سرکار کا ہر فرد بشر متحیر ہے۔

حیدر آباد کی جدید دستوری اصلاحات (جس سے دستور مملکت میں بہت سی تبدیلیاں ہونی لازمی تھیں) کے اعلان سے قبل ہی دفعتاً نواب صاحب مطلع سیاست پر ایک محبّ ملک و قوم بن کے چمکے اور انھوں نے عوام اور حکومت پر یہ ثابت کر دیا کہ مسلم جماعت کو حیدر آباد کی مملکت میں اس کی تاریخ شاندار روایات کی حیثیت سے اس جدید دستور کے نفاذ کے وقت بلحاظ تناسب آبادی اقلیت تصوّر کرنا ایک ظلم عظیم ہے۔ جو انصاف اور منشا، نفاذ دستور کے قطعاً منافی ہے۔

نواب صاحب نے ممالک محروسہ سرکار عالی کی مسلم جماعت کے لئے ایک انجمن قائم کی۔ آپ کا مطمح نظر نہ صرف مسلم قوم کا تحفظ حقوق ہے۔ بلکہ ریاست کی قدیم اسلامی تہذیب و تمدن اور عدیم النظیر اسلامی منصفانہ اور رواداراانہ طرز حکمرانی کا احیاء ہے۔ ایک مسلم جماعت کے لیڈر کی حیثیت سے ان کے اکثر سیاسی نظریئے اگرچہ بعض مرتبہ بظاہر تلخ اور اندیشناک تصوّر کئے گئے۔ لیکن نواب صاحب ممدوح کی ذات گرامی کے خلاف کسی کو کبھی کوئی پُرخاش یا شکایت نہیں ہوئی۔

نواب صاحب کی زندگی جو ایک خاموش اور پُرسکون زندگی تھی انکی مساعی اور قوت ارادی سے ایک شاندار کامیابی میں تبدیل ہو گی اور اب اہالیان ملک کی نظروں میں ایک مرکز امید اور اپنے پیرؤں کے لئے ایک مثال ثابت ہوئے۔

مستقبل کی خصوصیات

علم فراست الید (Palmistry) کے لحاظ سے نواب صاحب موصوف کی ہتھیلی میں خط و دماغ کی دو شاخہ تقسیم ان کی آئندہ کامیاب زندگی کی مظہر ہے اس کامیابی کی وجہ جناب ممدوح کی راست بازی اور ہر شخص سے خوش خلقی اور رواداری کا برتاؤ۔ فیاضی اور ایثار جیسے عادات حسنہ ہیں آئندہ زندگی میں اسی طرح بلکہ موجودہ حالت سے زیادہ مخلص اور اپنے پرائے کا غم کھانے والے ثابت ہوں گے اور اپنی اسی عادت اور ذہنیت پر مرتے دم تک قائم رہیں گے۔ نیز ان کے ہر کام میں استدلال رہے گا۔ میں اپنے علم فراست الید اور تجربہ کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ آئندہ چل کر ملک کی قسمت کا انحصار اور ذمہ داری کا بار نواب صاحب کے دوش پر ہوگا جب کہ موجودہ ذات پات کی تفریق اور ناپسندیدہ فرقہ وارانہ فرقشات ختم ہو جائیں گے اور موجودہ سیاسی مشکلات نواب صاحب کی فہم رسا اور حسن تدبیر کے باعث سد راہ نہ ہو سکیں گی۔ فقط

کے۔ اے نارائن ائیر
منجم ورنگل

اسٹیٹ مسلم لیگ

نواب بہادر یار جنگ بہادر دکن کی اسلامی مملکت کے خادم اور قائد
کی حیثیت سے سارے ہندوستان میں متعارف ہو گئے اور تدریجاً آپ کی شہرت
خطیب اور قائد کی حیثیت سے سارے اقطاع ہند میں پھیل گئی۔ مسلم لیگ کے
سالانہ اجلاسوں میں شرکت کی وجہ سے مسلم زعماء، و مشاہیر ہند کے ممتاز حلقوں میں
آپ روشناس ہو گئے۔ برطانوی ہند کے مختلف شہروں اور مختلف ریاستوں میں
آپ کو مسلمانوں کی سیاسی اور معاشی حالات کے مطالعہ موقعہ ملا۔ سب سے
پہلے آپ نے محسوس کیا کہ مسلم لیگ کی عاملانہ سرگرمیوں نے برطانوی ہند کے مسلمانوں
کو اگرچہ کہ اقتضائے وقت کے مطابق بیدار کر دیا ہے لیکن ریاستی مسلمانوں کے درد کا
کوئی علاج اب تک تجویز نہیں کیا گیا۔ قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح سے تفصیلی گفتگو
اور تبادلۂ خیال کے بعد آپ نے تہیہ کر لیا کہ جس طرح حیدرآباد دوسری حیثیتوں سے ریاستہائے
ہند کی سب سے بڑی سلطنت ہے اسی طرح مسلمانان ریاست ہائے ہند کی قیادت
کا حق بھی اس کو حاصل ہونا چاہئے۔ چنانچہ آپ نے اس خصوص میں ایک خط مولانا
سردار علی صاحب صابری اڈیٹر روزنامہ آزاد دہلی کو تحریر فرمایا تھا۔ جو حسب ذیل
ہے۔

نواب صاحب کا خط مولانا اسرار علی صابری ایڈیٹر روزنامہ آزاد کے نام

حیدرآباد   مورخہ ۹ ستمبر ۳۹ء

میرے عزیز برادر دینی

اس خط کی ترسیل سے میرا مقصد یہ ہے کہ ہندوستانی ریاستوں کی مسلمان رعایا کی شیرازہ بندی و تنظیم کیلئے انڈین اسٹیٹس مسلم کانفرنس کے قیام کی جانب آپکی توجہ مبذول کروں۔ انڈین اسٹیٹس پیپلس کانفرنس کی موجودگی میں ایسے مرکزی نظام کی ضرورت اسلئے محسوس کیجارہی ہے کہ اولاً مسلمانوں کو کانگریسی پرجامنڈل اور پرجا پریشد کے چنگل سے بچایا جائے۔ ثانیاً مسلمانوں کی موجودہ حیثیت و موقف کی حفاظت کی جائے۔ ثالثاً مسلمانوں کے لئے معاشری۔ اقتصادی۔ مذہبی۔ تعلیمی اور سیاسی حقوق حاصل کئے جائیں۔ علاوہ بریں انڈین اسٹیٹس مسلم کانفرنس چونکہ مسلم لیگ کی ایک ملحقہ جماعت ہوگی اس لئے اس کے قیام سے ہمیں اپنے مستقل قومی وجود کو برقرار رکھنے میں مدد ملے گی۔

وقت آگیا ہے کہ ہم کمر ہمت باندھ کر ان ہندوستانی ریاستوں کے مسلمانوں کو مصائب سے بچائیں جہاں ان پر سیاسی غلامی مسلط ہو چکی ہے۔ ان کو اقتصادی اعتبار سے پامال کیا جارہا ہے اور ان کا تمدن خطرہ میں ہے۔ اس تجویز کو کامیاب بنانے کے لئے ایک آل انڈیا کانفرنس منعقد کی جائے گی اور اس سے

بیشتر پریس اور پلیٹ فارم کے ذریعہ پُر زور پروپگنڈے کی ضرورت ہے مسلمانوں میں تنظیم کے ابتدائی کام کو فوراً وسیع پیمانہ پہ شروع کردینا چاہئے تھوڑے عرصہ بعد مسلم لیگ کے وفد کی طرح ہندوستانی ریاستوں میں مسلمانوں کی حالت کا معاینہ کرنے کے لئے انڈین اسٹیٹس مسلم کانفرنس کا ایک وفد مقرر کیا جائے گا۔

میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ پیش نظر مقصد کو کامیاب بنانے کے لئے اپنا اثر و رسوخ صرف کیجئے براہ کرم ایسے افراد اور جماعتوں سے مطلع فرمایئے جنھیں اس مسئلہ سے دلچسپی ہو اور اپنے حلقہ میں رفقاء و احباب میں گرم جوشی کا بلاک قائم کیجئے۔

(روزنامہ "آزاد"
۱۴ ستمبر ۱۹۳۹ء)

آپ کا بھائی

بہادر یار جنگ

اس کے بعد ہی آپ نے ریاستی مسلم لیگ کے قیام کا اعلان فرمایا۔ ریاست کے مظلوم مسلمانوں نے محسوس کیا کہ کوئی دوسرا نواب صاحب سے بہتر ان کی قیادت کا فرض انجام نہیں دے سکتا۔ جوق در جوق لیگ کے جھنڈے تلے لوگ جمع ہونے لگے ریاستی لیگ کا پہلا شاندار اجلاس مسلم لیگ لاہور کے پنڈال میں قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں کم و بیش ہندوستان کی ساری ریاستوں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ لیگ کا دستور مرتب و منظور کیا گیا اور نواب صاحب کو بالاتفاق صدر منتخب کیا گیا۔

نواب صاحب نے بعض اہم ریاستوں مثلاً بھوپال، گوالیار، آلور، پالن پور، بڑودہ، جے پور وغیرہ کا دورہ فرمایا جہاں کے مسلمانوں کے مقامی حکومت سے نفاذ اصلاحات کے سلسلہ میں شکایات پیدا ہو گئی تھیں آپ نے ان مقامات کے لیگی نظام کو مستحکم بنیادوں پر قائم فرمایا۔ مقامی مشاہیر کے باہمی اختلافات کو دور کر کے لیگی مقاصد کی پیش رفت کے لئے ان کو ایک مرکز پر جمع کر دیا اور ان میں وہ صلاحیت پیدا کر دی کہ اپنی قوت عمل سے لیگی لائحہ عمل کی تکمیل کر سکیں تاکہ ان کی تنظیمی قوت خود ان کی کامیابی کی ضامن ہو۔

قائدملت کی زبان بندی

علم عمل سے پختہ ہوتا ہے اور دعویٰ امتحان سے ثابت ہوتا ہے۔ خدمت اسلام کے جس دعوے اور عزم کے ساتھ نواب صاحب نے وادیٔ پرخار میں قدم رکھا تھا وہاں کوئی ایسی شاہ راہ نہیں تھی جو سیدھے منزل مقصود پر پہنچا دیتی۔ ترغیب وترہیب، رسوائی سربازار اتہام والزام نہ معلوم اور کتنی پرخار راستوں سے قائد کو گزرنا پڑتا ہے۔ اب صورت حال تو یہ تھی کہ قائدملت کو بیک وقت کئی محاذ کا سامنا تھا ایک طرف نادان دوست اور دانا دشمن صف آرا تھے۔ دوسری طرف مسلح حریف اور دوست نما دشمن کے معاندانہ حملوں کا مقابلہ تھا۔ تیسری طرف حکومت کے آگے جو بہرحال اسلامی حکومت ہے روایاتی اطاعت کے ساتھ اپنے جائز حقوق کا مطالبہ پیش کرنا تھا چوتھی جانب اپنی جماعت کے نزدیک صیانت حقوق اور اس کی جوابدہی کی ذمہ داری محسوس ہو رہی تھی۔ نواب صاحب نے انتہائی استقلال کے ساتھ اخلاص وپامردی کا ثبوت دیا۔ ایمان راسخ اور جہد مسلسل کے حصن حصین میں محصور ہوکر اس مرد مجاہد نے یکہ وتنہا سارے مصائب کا مقابلہ کیا جس کی حمایت پر نصرت حق کے سوا کوئی اور نظر نہیں آتا تھا۔ آخرکار نتیجہ یہ ہوا کہ ذریعہ فرمان خسروی قائدملت کو ایک سال کے لئے تقریر وتحریر اور اخباری بیان دینے سے منع کردیا گیا

اس سلسلہ میں جو فرمان شرف صدور لایا تھا وہ حسب ذیل ہے۔

فرمان مبارک

ممالک محروسہ سرکار عالی میں جتنی سیاسی انجمنیں ہیں اس سے بحث نہیں کہ کس قوم و ملت کی ہیں ان کو حکم دیا جاتا ہے کہ دوران جنگ میں کسی قسم کی شر انگیز تقاریر نہ کریں یا مضامین لوکل اخبارات میں شائع نہ ہوں تاکہ کسی قسم کا نقض امن یا ملک میں بے چینی پیدا نہ ہو ورنہ اس کے خلاف عمل ہوگا تو گورنمنٹ خاطیوں کے ساتھ سخت تدارک کرنے پر آمادہ ہو جائے گی۔

ف ۲۔ ہاں وہ بات اور ہے کہ اگر کسی فریق کو اپنے جائز شکایات یا مطالبات سے متعلق لب کشائی کی نوبت آئے تو اس کو درست طریقہ پر یا آئینی طریقہ پر کر سکتے ہے جبکہ یہ ہمہ قسم کی گرفت سے خالی ہو۔ اور اس صورت میں اس پر گورنمنٹ غور کر سکتی ہے۔

نظر برآں دنیا کے اس مقولہ پر نظر رہے کہ صلح و آشتی سے بیگانے اپنے ہو جاتے ہیں اور جنگ جدال سے دوست دشمن بن جاتے ہیں۔

ف ۳۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ بہادر یار جنگ جب تقریر کرنے اسٹیج پر کھڑے ہوتے ہیں تو ان کی زبان قابو میں نہیں رہتی ہے یعنی حدود معینہ سے باہر ہو جاتی ہے یا گرد و پیش کے حالات پر ان کی نظر نہیں رہتی ہے جس کی وجہ سے

پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو موجود سیاسی فضاء کو او رمکدر بنا تی ہیں لہذا ان کو بھی چاہئے کہ حزم و احتیاط سے کام کریں ورنہ کسی وقت کسی قسم کی ہلچل پیدا ہو جائے تو اس کی ذمہ داری مقرر یہ ہو گی اور میرا بہ حیثیت حکمران ہونے کے فرض ہو گا کہ جو کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرے اس کا سدباب کروں۔

نظر برآں میری دانست میں یہی مناسب ہے بلکہ میری ہدایت ہے کہ ایک سال تک بہادر یار جنگ کسی قسم کی تقریر اندرون و بیرون ملک نہ کریں یا کسی قسم کا بیان اخبار میں شائع نہ کریں تاکہ اپنے ہاتھوں نہ خود کو مشکلات میں ڈالیں اور نہ دوسرے طرف گورنمنٹ کو ان امور کی وجہ دردسری اوٹھانی پڑے۔

آخر میں اس قدر اور کہدینا ضروری خیال کرتا ہوں تاکہ مسئلہ زیر بحث کی کافی توضیح ہو جائے وہ یہ ہے کہ تمام بہی خواہان سلطنت کی وفاداری اس نوع کی ہونی چاہئے کہ یہ سرکارین کے باہمی دوستانہ تعلقات پر یا اہم۔ بین الاقوامی مسائل پر مضر اثر نہ ڈالے ورنہ یہ خوبی اس میں موجود نہ ہو گی تو پھر اس کے معنیٰ و مفہوم اس کے برعکس سمجھا جائے گا۔ اور اس وقت اس کو کسی طرح جائز نہیں رکھا جا سکتا کہ حکمران ہو یا اس کی گورنمنٹ ہو وہ بھی ایسی اپنی حد تک فرائض منصبی رکھتے ہیں جن کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

لہذا اس نکتہ کو پیش نظر رکھ کر کام کرنا چاہئے کہ یہی طریقہ کار تمام عقلاء یا مدبرین زمانہ کا رہا ہے۔

میرا یہ حکم پبلک کی اطلاع کی غرض سے مع ترجمہ انگریزی جریدہ غیر معمولی میں شائع کر دیا جائے۔

۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۶۲ھ　　　　ثبت دستخط مبارک اعلیٰحضرت بندگانعالی متعالی مدظلہم العالی

خطاب و جاگیر سے دست برداری

کہا جاتا ہے کہ بعض اوقات قدرت کی طرف سے بھی کڑی منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں جہاں بڑے بڑے قائدین کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں لیکن ابتلا اور آزمائش کی اس کڑی منزل میں بھی قائد ملت برابر ثابت قدم رہے اپنی ذاتی وجاہت شخصی امتیازات کو ختم کر کے مسلمانوں کی قیادت کا پورا حق ادا کیا بلکہ تحریر۔ تقریر گفتار۔ کردار۔ اصالت و وکالت سے مسلم حقوق کی ہمیشہ حفاظت کی حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آیا کہ آپ نے خطاب و اعزازات و جاگیر خود ہی جلالت الملک کے قدموں میں اپنی وفاکیشی کے ثبوت میں ڈال دیئے۔ اور دست بردار ہو گئے۔

قائد ملت کی اپنی مرضی سے "اعزاز و جاگیر" سے دست برداری ایسا عمل ہے جو عمیق اور انتہائی جذبات وفاداری کے "تحت عمل میں آیا ہے اور جس کے لئے جلالت الملک "خسرو دکن حضرت اقدس و اعلیٰ اور حکومت "سرکار عالی" قطعی ذمہ دار نہیں ہے۔ یہ ایک وفادار کے لئے صدقہ "تاج سلطانی" اور کسی جرم کی سزا یا داشت نہیں"، قائد ملت اپنے سلطان ذیجاہ کے انتہائی وفادار ہیں وفا کے مظاہر گوناں گوں اور بعض اوقات متضاد بھی ہوتے ہیں اس میں اکثر بارگاہ ہائے سلطانی سے انعام و اکرام کی بارشیں ہوتی رہتی ہیں مگر بعض اوقات تخت و تاج

کے لئے ان سب کو بہ خوشی قربان کرنا تھی کہ جان سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔ قائد ملت کے اس عمل نے ہر طرف دعوت فکر نظر کے سامان پیدا کئے اور ایثار و قربانی کی ایسی مثال پیش کر دی جس کی نظیر شاذ ہی مل سکے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی　　　جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

(اقبال)

اعلیٰحضرت جلالت الملک کا رحم و کرم

اعلیٰحضرت جلالت الملک کا رحم و کرم دونوں اپنی نظیر آپ ہیں۔ رحم کی کیفیت ہے کہ ایک بکری کی ٹانگ ٹوٹ جاتی ہے تو اس کو شاہی موٹر میں سوار کر لیا جاتا ہے اور اس کی مرہم پٹی کروائی جاتی ہے اور کرم کی داستانیں تو ملک کے اندر اور ملک کے باہر ہندوستان میں اور چین و عرب میں زبان زد خاص و عام ہیں۔ شاہ ذیجاہ کی اسی بلندی فطرت کا تقاضا ہے کہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ کو معاصر نظام گزٹ کے صفحہ اول پر "نوٹس جاری کردہ از نذری باغ" کے زیر عنوان رقم فرمایا گیا۔

"نذر پیش کردہ بہادر یار جنگ قبول کردہ محفوظ"

"در خاندان او (یعنی برائے او) ——"

ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ حضور والا نے قائد ملت کی درخواست "نذر" کو شرف قبولیت تو بخشا مگر مناسب خیال فرمایا کہ اس کو پھر انہیں کے خاندان کے لئے

محفوظ فرما دیں۔ قائد ملت کے آباؤ اجداد کی تخت شاہی سے وابستگی کی بنا و پر جو جاگیر و اعزازات نسلاً بعد نسلٍ عطا فرمائے گئے تھے اور ذات شاہانہ کی خادم نوازی نے اس خاندان کی آئندہ نسلوں کو اس حق سے محروم نہیں ہونے دیا۔

یہی نہیں حضور والا کے الفاظ بڑے معنی خیز ہیں۔ شاہانِ ذیشان آصفیہ کے دربار میں ہم سننے میں قبولیت نذر کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ "نذر" پیش کردہ کو صرف دست مبارک سے مس کر کے واپس کر دیا جاتا تھا۔ ہمیں

("یعنی برائے اد")

کے الفاظ شاہانہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور والا نے اپنے خانوادۂ سترگ کی قبولیت نذر کے اس رسم کی تجدید فرمائی ہے اس واسطے کہ ان کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعزازات خود قائد ملت کے لئے بھی محفوظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ جلالت الملک کے عمر و اقبال میں ترقی دے آمین۔

ہم اپنی حد علم تک کہہ سکتے ہیں کہ نواب بہادر یار جنگ بہادر اپنے اعزازات پر متکبر تھے نہ جاگیری رقوم اپنے نفس پر خرچ کرنے کے عادی بیسیوں غریب اور طلبہ بھی ان کے اس حصہ سے اپنا حق پا رہے تھے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ نواب صاحب کو اپنے آپ کو کسی چیز سے محروم کر لینے کا تو حق ہے مگر ان غریبوں اور طلبہ کو اپنے حق سے محروم کرنے کا کوئی حق نہیں۔

قائدِ ملّت اور حکومتِ کشمیر

کشمیری مسلمانوں میں ایک مدت سے اختلافات چلے آرہے ہیں اور یہ اختلافات باہمی حکومت کشمیر کی پریشانی کا باعث بھی ہیں انہی اختلافات کو مٹانے کے لئے قائد ملت صدر ریاستی مسلم لیگ کی صدارت میں ایک آل جموں اینڈ کشمیر مسلم کانفرنس کے انعقاد کے انتظامات اگست ۴۳ء میں نہایت ہی اعلیٰ پیمانہ پر کئے گئے اور تین ماہ قبل قائداعظم مسٹر محمد علی جناح اور قائد ملت صدر آل انڈیا مسلم لیگ کی آمد کی اطلاع کے پوسٹر بھی چھپاں کئے گئے تھے۔ اس دوران میں حکومت کشمیر نے نہ تو کوئی امتناعی حکم دیا اور نہ کسی قسم کی رکاوٹ کی مگر جوں ہی قائد ملت معہ اپنی بیگم صاحبہ کے کانفرنس میں شرکت کی غرض سے کشمیر پہونچے ان کو گرفتار کرلیا گیا ہے اور ایک انسپکٹر اور دو کانسٹبلوں کے ساتھ ذریعہ موٹر شب کے ۲ بجے حدود کشمیر سے جنگل میں بھیجا ہوا چھوڑ دیا گیا انھیں اس کی بھی اجازت نہیں دی گئی کہ وہ اپنی بیگم صاحبہ کو ہمراہ لے جاسکیں یہاں تک کہ بستر اور اٹاچی کیس بھی ساتھ لینے کی اجازت نہیں دی گئی

حکومت کشمیر کے اس غیر انسانی طرز عمل نے سارے ہندوستان اور خصوصاً دکن کے مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑا دی اور اس کے بعد ۱۵ اگسٹ سے ۲۲ اگسٹ تک ان کی کوئی اطلاع نہ ملنے سے عجیب ہلچل مچ گئی مسلمانان دکن اپنے محبوب قائد کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار ہوگئے۔ اضلاع متعلقات وغیرہ سے ہزاروں تار

دئے گئے اس وقت مجلس کے معتمد مولوی یامین زبیری نے پر امن رہنے کی تلقین اور حقائق کو معلوم کرنے کی غرض سے مجلس کے معزز رکن مولوی سید فضل حسین صاحب اور مولانا رشید ترابی صاحب کو روانہ کیا گیا اس کے تیسرے ہی دن قائد ملت کی خیریت کی اطلاع ملی۔ وہ دن مسلمانان دکن کے لئے یوم عید سے کم نہ تھا شکرانے کی نمازیں پڑھی گئیں۔ روزے رکھے گئے۔ غربا کو کھانا اور غلہ تقسیم کیا گیا اور انتہائی خوشی کے مظاہرے کئے گئے۔ اس کے بعد قائد ملت ۱۲ ستمبر ۱۹۴۳ء کو حیدرآباد تشریف لائے۔ وہ صبح حیدرآباد کے گئے یادگار رہے گی جب کہ قائد ملت واپس تشریف لائے اسٹیشن نامپلی پر مسلمانوں کے بے پناہ ہجوم نے پر جوش استقبال کیا۔ پلیٹ فارم اور اسٹیشن کے باہر کی سڑکیں استقبال کرنے والوں سے پٹی ہوئی تھیں۔

قائد ملت کے لئے ناگپور تک وفد گئے تھے ناگپور، وردھا، چینگنگ گھاٹ پر بھی استقبال ہوا۔ صبح کے پونے چار بجے ریل گاڑی قاضی پیٹھ اسٹیشن آئی۔ مقامی مجلس کے عہدہ داروں نے مسلمانوں کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ آلیر اور بھونگیر دیرہ پر بھی استقبال کے انتظامات تھے۔ ٹرین کو اس مقام پر آراستہ کیا گیا۔ انجن پر چاند تارہ اور پرچم لگایا گیا ریل گاڑی پر رنگ برنگ کی جھنڈیاں آویزاں کی گئیں۔ خیریت آباد کے گیٹ سے مسلمان ٹرین پر ٹوٹ پڑنے لگے۔ نعرۂ تکبیر، شاہ عثمان زندہ باد، سلطنت آصفیہ پائندہ باد اور قائد ملت زندہ باد کے نعروں سے اسٹیشن گونج رہا تھا انیس الغرباء کی جماعت نے سلامی دی۔

کثرت سے پھولوں کے ہار پہنائے گئے اور پھولوں کی آراستہ موٹر میں قائد ملت کو بٹھایا گیا۔ موٹر میں سوار ہونے کے بعد قائد ملت نے فرمایا کہ ساری تشویش کا باعث

تاروں کا وقت پر نہ پہونچنا اوران کی غلط ترسیل ہے۔ حکومت کشمیر کے معاملہ پر غور کررہا گیا ہے۔ قائد ملت نے استقبال کرنے والوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اژدہام سے منتشر ہو جانے کی خواہش کی لیکن ہجوم تھا کہ قائد ملت پر ٹوٹ پڑ رہا تھا۔ بڑی مشکل سے رائل ہوٹل کے پاس سے قائد ملت کی موٹر کو آگے بڑھنے کے لئے جگہ ملی۔ یہاں سے مجمع پیچھے رہ گیا۔ راستوں پر کھڑا ہوا مجمع جابجا پھول پہنا رہا تھا۔ جیسے ہی قائد ملت مکان میں داخل ہوئے مسلمانان بیدر کی جانب سے وہاں کی مجلس کے وفد نے منقش کا ہار پہنایا جس میں چار سو روپیہ کے چار نوٹ لگے ہوئے تھے بڑی دیر تک ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔

پریس کانفرنس میں قائد ملت کا بیان

کشمیر سے اخراج اور اس کا پس منظر

حیدرآباد ۳ ستمبر آج صبح گیارہ بجے بیت الامت میں قائد ملت نے کشمیر سے اخراج اور اس کے پس منظر کی وضاحت فرمانے کی خاطر ایک پریس کانفرنس طلب کی تھی۔ جس میں مختلف نقاط نظر کی ہم آہنگی صحافتی تاریخ میں ایک درخشاں باب کا اضافہ کر رہی تھی۔ عظیم الشان مسلم قوم کے ہردلعزیز قائد نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ اخبار نویسوں کے اجتماع کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا کہ میں ہندوستان اور حیدرآباد کے پریس اور تمام ہندوستان کی پبلک کا عموماً اور حیدرآباد کی پبلک کا خصوصاً

شکر گزار ہوں۔ میرے متعلق انھوں نے جس ہمدردی کا اظہار کیا ہے اس کو میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ ہندوستان کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں کے مسلمانوں نے ان واقعات سے اپنے تعلق خاطر کا اظہار نہ کیا ہو۔ اس کے بعد مری ہلز کی غلط اطلاع دہی پر اظہار افسوس کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ مجھے سخت افسوس ہے کہ مری ہلز کے ڈاکخانہ کی ایک غلط اطلاع نے بجا طور پر میرے ساتھیوں اور پبلک کو پریشان کیا۔ میں ۱۵ اگست سے ۲۲ اگست تک مری ہلز میں مقیم رہا اور اس عرصہ میں ریاست کشمیر صوبہ سرحد پنجاب، دہلی اور دوسرے اقطاع ہند سے جو تار اور خطوط میرے نام آئے وہ سب کے سب انہی تاریخوں میں مجھے پہونچائے گئے۔ لیکن میں نے نہایت حیرت کے ساتھ مجلس کے فائیل میں ایک سے زیادہ اطلاع نامے اسی ٹیلیگراف آفس کے دیکھے ہیں جن پر ۱۶ سے ۱۸ اگسٹ تک کی تاریخیں پڑی ہوئی ہیں جن میں یہ کہا گیا کہ میں مری سے پشاور روانہ ہو گیا ہوں۔ میں حیران ہوں کہ مری کے پوسٹ آفس نے اتنی صریح غلط بیانی اور دھوکہ دہی کی کیوں کوشش کی اس سلسلہ میں "رہبر" یا "وقت" کی یہ قیاس آرائی صحیح نہیں تھی کہ میں مری کے ڈاکخانہ کو اپنی روانگی کی اطلاع دیدی۔ لیکن کسی وجہ سے پشاور نہ جا سکا اور نہ میرے احباب کی پریشانی عشق است و ہزار بدگمانی کا ..... مصداق تھی بلکہ جو واقعات پیش آئے ان کا صحیح اور فطری نتیجہ یہی ہو سکتا تھا۔ میں نے ڈاکخانہ کی اس غلطی پر نوٹس دی ہے۔

حکومت کشمیر کے سارے طرز عمل میں انسانیت کا شائبہ بھی نہ تھا

کشمیر کے موقف پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ کشمیر کے واقعات سے متعلق مجھے کچھ زیادہ

نہیں کہنا ہے۔ مقامی اخبارات میں اور نیٹ پریس کی جو تفصیلی خبر شائع ہوئی وہ حرف بہ حرف صحیح ہے جیسا کہ میں نے لاہور کی پریس کانفرنس میں کہا۔ مجھے اس کا رنج نہیں ہے کہ حکومت کشمیر نے مجھے اپنی ریاست سے خارج کیا میں اس کی اس حرکت کو غریب مسلمانان کشمیر پر ایک احسان تصور کرتا ہوں۔ میں اگر کشمیر میں ایک مہینہ بھی رہتا تو مسلمانان کشمیر کی امداد نہیں کر سکتا جتنی مجھے نکال کر حکومت کشمیر نے ان کی مدد کی ہے۔ ناعاقبت اندیش حکومتوں کی ایسی ہی حرکتیں قوموں کی مضبوطی اور تنظیم کا باعث ہو جایا کرتی ہیں۔ مجھے رنج اس کا ہے کہ میں نے حکومت کشمیر کے اس سارے طرز عمل میں ایسا کا شائبہ بھی نہیں پایا۔ میری توجہ حکومت کشمیر کے پریس نوٹ کی طرف مبذول کرائی گئی ہے اس پریس نوٹ میں جہاں تک میرے خطابات اور جاگیر سے دست برداری کے متعلق دروغ بیانی کی گئی ہے۔ اس کا بہت اچھا جواب مولوی یامین زبیری صاحب کے بیان میں موجود ہے میں حکومت کشمیر کے اس پریس نوٹ کو شروع سے آخر تک جھوٹ اور دروغ بیانی کا مجموعہ پاتا ہوں جو ایک منظم حکومت کے لئے قابل شرم ہے اس کمیونکے میں حکومت نے کہا۔ " نواب صاحب نقل و حرکت کا اطمینان دلانے سے قاصر جو کہ وہ آسانی سے کر سکتے تھے .... میں حیران ہوں کہ کس طرح ایک حکومت کو دن کی روشنی میں ہمالیہ کے برابر جھوٹ بولنے کی جرأت ہو سکتی ہے جب کہ گرفتار ہونے سے قبل وزیر اعظم کشمیر کے نام لکھا ہوا میرا مکتوب ان کی فائیل میں موجود ہے جس میں میں نے اپنے کشمیر آنے کے مقصد آل انڈیا اسٹیٹ مسلم لیگ کی عام پالیسی اور جنگی خدمات کے سلسلہ میں اس کے پروگرام کی کافی وضاحت کر دی ہے حکومت کشمیر کا یہ کہنا کہ مسلم کانفرنس پر عائد کردہ پابندیوں کے بعد مجھے کشمیر جانا ہی نہ تھا بڑی عجیب منطق ہے۔

اگر کسی کانفرنس میں بیرون ریاست کے باشندوں کی شرکت ممنوع ہو تو کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کانفرنس کے دوران میں ان اشخاص کا داخلہ بھی ممنوع تصوّر کیا جائے حکومت کا یہ کہیونکے سمجھ دار آدمیوں کے نزدیک خود حکومت کا بے نقاب ہو جانا ہے۔ ہامبر نے اپنے ایڈیٹوریل میں خوب کہا کہ دنیا کا کوئی آدمی حکومت کے اس بات کا یقین نہیں کر سکتا کہ ایسی حالت میں جبکہ میرے ملازم ابھی سرینگر پہونچے تھے اور میری رفیق حیات وہاں تنہا تھیں۔ میں نے حکومت سے یہ کہہ دیا کہ ان کے دوسرے روز علیحدہ آنے کا انتظام کر دیا ہے۔ برخلاف اس کے عہدہ داران حکومت کشمیر نے میری موجودگی میں بہت دیر تک غور کرنے کے بعد یہ تصفیہ کیا کہ بیگم میرے ساتھ نہیں جائیں گی۔ یہ صحیح ہے کہ میری غیرت نے اس کو برداشت نہیں کیا کہ میں سرینگر سے نکالے جانے کے بعد رامپور (کشمیر کا (ایک گاؤں) میں حکومت کشمیر کا مہمان بنوں اور میں نے چاہا کہ مجھے کوہالہ پہونچا دیا جائے لیکن اس کے معنی یہ کب تھے کہ حکومت کشمیر مجھے اپنے ساتھ بستر بھی لینے نہیں دیتی۔ ممکن ہے کہ حکومت نے موٹر میں اپنے ملازمین کے لئے بلانکٹس رکھ دئے ہوں لیکن وہ میرے کس کام آسکتے تھے۔ بلکہ موٹر کو کوہالہ کے پل سے ایک انچ آگے حرکت نہیں دی گئی اور موٹر کو آگے لے جانے سے روک دیا گیا۔ مجھے موٹر میں ڈاک بنگلہ تک پہونچانے کی نسبت حکومت کشمیر کا پریس نوٹ شاید اچھا عذر ثابت ہوتا لیکن حکومت اس کا کیا جواب دے سکتی ہے کہ جب میں اور ٹیکسی ڈرائیور اپنی ذمہ داری پر برطانوی علاقہ میں موٹر لے جانے کے لئے تیار تھے اور میں نے ڈرائیور سے کرایہ بھی طے کر لیا تھا تو اس میں حکومت کو کیا عذر ہو سکتا تھا۔ ایک طرف میرے ساتھ بستر۔ چھتری۔ واٹر پروف کا نہ دینا دوسری طرف بارش کے عالم میں ڈرائیور کی

آمادگی کے باوجود موٹر کو آگے جانے سے روک دینا اور مجھے مجبور کرنا کہ دو بجے رات کو ایک نئے مقام میں بارش پر بھیگتا ہوا ڈاک بنگلہ جاؤں کیا اس سے بڑھ کر خلاف انسانیت کوئی فعل ہو سکتا ہے آخر میں قائد موصوف نے صحافیوں سے خواہش کی کہ میں آپ حضرات سے اس گفتگو کا فائدہ حاصل کرتے ہوئے چاہتا ہوں کہ کشمیر سے میرے اخراج اور اس سلسلے میں میری تکلیف کا باب آج ختم کر دیا جائے۔ میرے نزدیک یہ واقعہ اتنا اہم نہیں ہے جتنا خود کشمیر کے مسلمانوں کی زبوں حالی۔ ان کی مفلسی ان کی جہالت اور ان پر عائد شدہ ظالمانہ قوانین اہم ہیں۔ میری تمنا ہے کہ میری اخراج کا یہ واقعہ تمام مسلمانان ہند کو مسلمانان کشمیر کی امداد کی طرف متوجہ کرے۔ میں اس کیلئے عنقریب ایک پروگرام پیش کروں گا بیان کے اختتام پر سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہا جو حسب ذیل ہے :۔

ایک سوال پر قائد ملت نے فرمایا کہ مری ہلز سے جتنے خطوط اور تار میں نے بھیجے اور اقطاع ہند سے میرے نام آئے تھے ان کی تقسیم عمل میں نہیں آئی۔ ایک اور سوال کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ کئی خطوط۔ اور کئی تار تھے جو مجھے قطعاً نہیں ملے۔ جب آپ سے ریاستی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے یہ دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کو وزیر اعظم کشمیر کی جانب سے قبل از وقت امتناعی احکام وصول ہوئے تھے تو آپ نے نفی میں جواب دیا اور شہری آزادی کی توضیح فرماتے ہوئے نواب صاحب نے فرمایا کہ ہر حکومت کا فرض ہے کہ وہ اپنے باشندوں کو جائز آزادی تحریر اور تقریر سے استفادہ اٹھانے کا موقع دے ورنہ اکثر صورتوں میں اشتعال پیدا ہونے کا امکان پیدا ہوتا ہے چنانچہ آپ نے حیدر آباد کو مثالی حیثیت

دیتے ہوئے فرمایا کہ ڈاکٹر مونجے اور مہیشور دیال، جواہر لال نہرو جیسے افراد کو بھی یہاں آنے سے روکا نہیں جاتا۔ البتہ ایسے افراد جن کی مفسدانہ پالیسی کا اظہار ہو چکا تھا انھیں یقیناً روکا تھا۔ لیکن حکومت کشمیر کے اس واقعہ سے اس مسئلہ کا کوئی تعلق پیدا نہیں ہوتا جب کہ میں نے اپنی صلح جویانہ پالیسی کا اظہار کر دیا تھا۔ کاش حکومت کشمیر میرے آنے سے پہلے وہ طریقہ اختیار کرتی جیسا کہ حکومت حیدر آباد نے کیا۔ ایڈیٹر دکن نیوز کے ایک سوال پر آپ نے فرمایا کہ مسلم کانفرنس پر میرے جانے کے بعد پابندیاں عائد کی گئیں۔ اور مسلمانان کشمیر اس واقعہ کی وجہ سے بے حد جوش میں تھے۔ جب آپ سے حکومت سرکار عالی کی آئینی کارروائی کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے لاعلمی ظاہر کی۔ اس کے بعد دوسری ریاستوں کے طرز سلوک کے متعلق آپ سے استفسار کیا گیا تو آپ نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ فرمایا کہ دوسری ریاستوں نے اس قسم کی تنگدلی کا کہیں بھی مظاہرہ نہیں کیا خود ریاستوں نے مجھے آخر کیا کہ میں ان کے یہاں رہوں چنانچہ جودھ پور اور اودے پور میں مجبوراً حکومت کا مہمان ہونا پڑا اگرچہ یہ میری پالیسی کے بالکل خلاف تھا جب سکھوں کے استقبال کے متعلق آپ سے تصدیق چاہی گئی تو آپ نے اثبات میں جواب دیا اور کہا کہ راولپنڈی میں سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم ہیں۔ چنانچہ انھوں نے مجھے ایک پارٹی بھی دی تھی۔ کشمیر جانے کی وجہ دریافت کئے جانے پر آپ نے فرمایا کہ وہاں کا صحیح مطالعہ اور ممکنہ اخلاقی امداد دینا تھا۔ اپنی شرکت کے متعلق آپ نے کہا کہ میری شرکت خاموش شرکت ہوتی۔ آپ نے آخر میں یہ بھی کہا کہ عنقریب وہ خط ریلیز کروں گا جو وزیر اعظم کے نام بھیجا گیا تھا۔ اس کے بعد کانفرنس اختتام کو پہونچی۔

حالاتِ زندگی پر طائرانہ نظر

عیش و عشرت اور امیر گھرانوں میں جن بچوں نے پرورش پائی تفکرات کی دنیا سے دور زیر سایہ دولت جو پروان چڑھے۔ حیدرآباد کی فضا نے ان کو صاحب بزم تو بنا دیا لیکن میدان رزم سے ان کا کوئی تعلق نہ رہا۔ مسلمانوں کی حاکمانہ حیثیت کے باعث زندگی کے تکلفات روز بروز ترقی پذیر ہوتے گئے حتیٰ کہ صاحبانِ مقدرت عیش کوشی میں مبتلا ہو گئے اور اس طبقہ سے علم و عمل کے محاسن بھی مفقود ہوتے گئے۔ لیکن نصیب یاور جنگ بہادر ثالث جیسے امیر کو خدا نے ایسا فرزند عطا کیا جس نے اپنے کارناموں سے حیدرآباد کی آئندہ تاریخ میں نہ صرف اپنے خاندان، بلکہ عہد حاضر کے لئے ایک اہم جگہ پیدا کر دی نواب بہادر یار جنگ بہادر کی شخصیت کی ہمہ گیری میں کس کو کلام ہو سکتا ہے کہ آپ ممتاز جاگیردار۔ ذی مرتبت شہری۔ باکمال سپاہی۔ سحر بیان مقرر۔ اثر آفریں انشاپرداز اور دکن کے مقبول عام قائد ہیں۔ زمانہ طالب علمی سے نواب صاحب اپنے بے باکانہ صفات کی وجہ سے ہمعصروں میں امام اور خطیب مانے جاتے تھے، آپ کی طبیعت میں ولولہ و جوش، اور تفکر و تدبر کا حیرتناک امتزاج پایا جاتا ہے نسلی سپاہیانہ

اوصاف کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اوصاف و کردار آپ کی خصوصیات ہیں۔ باکمال بزرگوں اور ممتاز اساتذہ کی صحبت زمانہ طفولیت ہی سے آپ کو حاصل رہی۔ گفتگو میں اخلاق کی حلاوت و شیرینی آنکھوں میں مروت کا سحر، اور شخصی وجاہت کے تاثر کا یہ عالم ہے کہ ہر اجنبی ایک دفعہ مل کر ہمیشہ کے لئے آپ کا گرویدہ ہو جاتا ہے گفتگو فرماتے ہیں تو اس کا ربط اور تسلسل اور انداز بیان سے تقریر کا دھوکا ہوتا ہے اور سامع اس قدر مسحور ہو جاتا ہے کہ گھنٹوں آپ کی صحبت میں بیٹھکر نہیں تھکتا۔ فراست میں، تدبر میں علم میں، تجربہ میں، تقریر میں، حیدرآباد کے محدود رقبہ میں نہیں بلکہ ہندوستان کے طول و عرض میں اپنا لوہا منوایا کسی مسئلہ پر طریقہ استدلال اس قدر دلچسپ اور طرز تفہیم ایسا پسندیدہ کہ مخاطب اپنے قلب میں انشراح اور بصیرت کے آثار محسوس کرنے لگے کہ ایک صاحب تدبیر سے ہم کلام ہے، سخاوت، فیاضی، مہمان نوازی اور دردمندی کے صفات آپ کو ورثہ میں ملے ہیں۔ جیسوں بے روزگاروں کو روزگار سے لگایا ان گنت بے سہارا اور غیر مستطیع طلباء کی دامے، درمے مدد فرمائی اور کتنی ہی بیواؤں کی دستگیری کی حاجتمندوں کے ساتھ عملی ہمدردی کی، یہ وہ ممتاز صفات ہیں جس نے بہت جلد آپ کو ملک میں ہر دل عزیز بنا دیا، ہم چشموں کی صف میں امتیاز حاصل کیا۔ بڑھے اور اتنے بڑھے کہ آج حیدرآباد میں ہر مستند کی خبر ہر ابتداء کی انتہا، ہر ضمیر کا مرجع، ایک ذات اور ہزارہا کی عزت اور ہر ایک کے لئے امید کا مرکز۔ جوں جوں خدمت خلق کا موقعہ ملا۔ خانگی مصروفیات سے کنارہ کشی اختیار کی اجتماعی اور قومی معاملات کے لئے زندگی وقف کر دی۔ فجر کی نماز کے بعد درس قرآن پاک کے لئے محلہ بیگم بازار کی مسجد میں بیٹھ گئے طلوع آفتاب کے بعد تک سلسلہ درس جاری رہا۔

ناشتہ سے فارغ ہو کر مجلس کے اور عام قومی مسائل میں صبح سے دوپہر کر دی ایک بجے زنانے میں داخل ہوئے کھانے اور نماز ظہر کے بعد کچھ دیر آرام کیا اور ½ ۳ بجے سے عام ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ دیوڑھی پر امیر غریب۔ اعلیٰ ادنیٰ سب جمع ہیں۔ ایک ایک کو فرداً فرداً ملاقات کا موقعہ دے رہے ہیں۔ سلام میں تقدیم عادتاً اصول میں داخل ہے سروقد استادہ ہو کر شناسائی ہو یا اجنبی ہر ایک کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم فرما رہے ہیں کسی نے اجتماعی مسائل پر بحث کی کسی نے اپنے محلہ کی تنظیمی معاملات میں رہنمائی حاصل کی۔ کسی نے سفارشی رقعے لکھوائے۔ کسی نے اپنی مظلومیت کا اظہار کیا۔ کسی نے چندہ مانگا۔ نمائندگان جرائد نے بیان طلب کیا۔ ۵ اور ½ ۵ بجے تک اسی ہنگامے سے فراغت حاصل کر کے نماز عصر کے بعد خصوصی ملاقات کے لئے معین فرماتے اگر اہم اور موقتی مسائل ہیں تو تعین اوقات مصروفتوں کا سلسلہ بڑی رات گئے تک جاری ہے۔

ہر ہفتہ ایک عرصہ تک بعد مغرب پابندی کے ساتھ تاریخ اسلام کا درس دیا کرتے تھے گھر اور دیگر انتظامات کا سارا بوجھ بیگم صاحبہ کی ذات پر۔ ملک اور اہل ملک پر جتنا احسان نواب صاحب کا ہے بلاشبہ اس سے کہیں زیادہ حصہ اس نیک بخت اور فرشتہ خصال خاتون کا ہے۔ جنھوں نے نواب صاحب کو خدمتِ خلق کے لئے گھر اور جاگیر کے انتظامات سے بے نیاز کر دیا جو نہ معلوم نواب صاحب کو قومی مصروفیات میں کس درجہ حارج ہوتے بیگم صاحبہ نے گھر کی مصروف زندگی کے باوجود قائد ملت کے ساتھ رفاقت کا حق ادا کیا۔ آپ نے ملت اسلامیہ کے مفاد کی خاطر طبقہ نسواں کی بڑی خدمات انجام دیں۔ اپنے طبقہ میں ملت کے مسائل

جدیدہ کی نشر و اشاعت فرمائی اور تقریر و تحریر کے ذریعہ خواتین میں شعور کی بیداری کا اہم فرض انجام دیا۔ جس زمانہ میں مجلس اتحاد المسلمین نے ۵ لاکھ روپیہ کی اپیل کی نواب صاحب کے گراں قدر رقمی عطیات کے علاوہ بیگم صاحبہ نے اپنا زیور تک قوم کے نذر کردیا اور اپنی ڈیوڑھی کا ایک ایک گوشہ قومی ضروریات کے لئے پیش کردیا۔

نواب صاحب میں خدمت کا جذبہ کبھی نام و نمود کی خاطر سے پیدا نہیں ہوا آپ نے یہ راہ اس کے عواقب اور نتائج کو سامنے رکھ کر اختیار فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا ضمیر مطمئن اور قلب حزن و ملال سے ہمیشہ پاک رہتا ہے۔

نواب صاحب اپنی ان ساری صفات کے ساتھ بذلہ گو، لطیفہ سنج اور شاعر بھی ہیں۔ احباب اور مخلصوں کی صحبت میں آپ ہی کی بذلہ گوئی محفل کی دلچسپی ہوتی ہے۔ آپ کے اشعار عموماً فی البدیہہ ہوتے ہیں اور حیرتناک تیزی کے ساتھ آپ شعر کہنے پر قادر ہیں۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ انگریزی نوشت و خواند کی صلاحیت کے ساتھ عربی اور فارسی زبان میں آپ کو گفتگو کی محیر العقول دستگاہ حاصل ہے بلاد اسلامیہ کے سفر کے دوران میں مصر اور حجاز میں مقامی اکابر سے عربی میں اور ایران و افغانستان کے وزرا اور غازی نادر شاہ سے فارسی میں گفتگو فرمائی جس پر غازی مرحوم نے استعجاباً اپنے مصاحبین سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا۔ نواب صاحب در زبان فارسی خیلے خوب گپ[۱] می زنند حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر میں انسان صحیح کی صفات یوں بیان فرمائی ہے۔

---

[۱] گپ می زدن۔ بامحاورہ گفتگو کرنا (اہل زبان کا محاورہ ہے)

چه باید مردُا طبعے بلندے، مشربے تابے
دلے گرمے، نگاہے پاک بینے، جان بیتابے

نوب صاحب کی شخصیت کی ہمہ گیری بلا شبہ اسی شعر کی آرزوں اور تمناؤں کی صحیح تعبیر ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ کی ذات ملّت کی گراں مایہ متاع ہے۔ خدا آپ کو خدمتِ اسلام کے لئے تا دیر سلامت رکھے آمین۔

آفتاب دکن کی تدوین کے وقت

حسب ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا

حیدرآباد پکٹوریل		
مسلمانوں کا روشن مستقبل	از	طفیل احمد صاحب منگلوری
طلسم زندگی	از	بشیر احمد صاحب بیرسٹر مدیر ہمایوں
حیات جاوید	از	مولانا الطاف حسین صاحب حالی
فلسفۂ جذبات	از	مولانا عبدالماجد صاحب دریاآبادی مدیر صدق
حیات سعدی	از	مولانا الطاف حسین صاحب حالی
انقلاب روس		ترجمہ
اخبار رہبر دکن اور وقت کے فائیل		
خطابیات	از	رحیم الدین صاحب ظہیر آبادی
لسان الامت	از	عبدالرحمن سعید بی اے (عثمانیہ)
دو سالہ جدوجہد		نامعلوم